مغرب کا زوال

اور

مسلم نشاۃ ثانیہ کے روشن امکانات

تصنیف:

ڈاکٹر محمد امین

تلخیص

مولانا محمد علاء الدین ندوی

باھتمام: متحدہ ملی محاذ

Q-25، بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ 25

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے

درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

آل انڈیا تنظیم علماء حق کی اشاعتی خدمات

دیوبند نے برصغیر میں مختلف ذریعوں سے اسلامی احیاء کا ناقابل فراموش کارنامہ انجام دیا ہے مختلف ادارے، تنظیمیں اس سلسلے میں مصروف ہیں، دیوبند فکر کا ایک ترجمان آل انڈیا تنظیم علماء حق بھی ہے، جس نے بہت مختصر مدت میں قومی سطح پر اپنی ایک علاحدہ شناخت قائم کی ہے اس کے مقاصد میں جہاں جدید تقاضوں کے پیش نظر دینی مدارس، علمی مراکز اور عصری مکاتب کا قیام، مسلمانوں میں اعمال صالح، اخلاق حسنہ کی تعلیم وتربیت صحیح اسلامی عقائد کا فروغ، ملک کے مختلف فرقوں کے مابین اتحاد وہم آہنگی شامل ہیں وہیں اس کا ایک مقصد تحریروں کے ذریعہ ان افکار کا ترویج اشاعت بھی ہے جن سے مسلمانوں کا اجتماعی روحانی ضمیر بیدار ہو۔ چنانچہ تنظیم نے اس تعلق سے اپنی کوششیں تیز کردی ہیں اور اشاعتی محاذ پر بھی یہ نہایت سرگرم ہے۔ تنظیم کو اس بات کا احساس ہے کہ لٹریچر کے ذریعہ انسانی ذہن وشعور میں تبدیلی لائی جاسکتی ہے۔ چنانچہ تنظیم نے اپنا ایک نشر واشاعت کا شعبہ بھی قائم کیا ہے جس کے تحت سہ ماہی ''حسن تدبیر'' جیسا موقر اور معتبر رسالہ شائع ہورہا ہے۔ سہ ماہی حسن تدبیر کا اختصاص یہ ہے کہ اس نے اپنے دستور العمل کے مطابق اکابرین اہل حق کے فکر وعمل کی ترویج واشاعت کا کام بخوبی پورا کیا ہے چنانچہ اس تعلق سے حسن تدبیر نے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی پر ایک دستاویزی شمارہ شائع کیا اور مولانا تھانوی کی حیات وخدمات کے حوالہ سے معتبر تحریریں شامل کیں۔ مولانا تھانوی کے افکار کو عام کرنے کے لئے اس شمارے کا ایک حصہ بھی مختص کیا گیا اس طرح حکیم الامت پر شائع ہونے والے کسی بھی رسالے کا یہ سب سے ضخیم اور اہم شمارہ ہے۔ حکیم الامت کے بعد دوسری بڑی شخصیت جن کے اثرات ہمہ گیر ہیں وہ ہیں مولانا قاری محمد طیب حکیم الاسلام۔ سہ ماہی ''حسن تدبیر'' نے حکیم الاسلام قاری محمد طیب پر ایک دستاویزی نوعیت کا خصوصی شمارہ شائع کرکے دیوبند کے اس نابغہ کو نہ صرف خراج عقیدت پیش کیا بلکہ قاری محمد طیب کی ہمہ جہت شخصیت کے تمام پہلوؤں سے ان قارئین کا بھی تعارف کرایا جوان سے کما حقہ واقف نہیں تھے۔ حکیم الاسلام کے بعد ''حسن تدبیر'' کا ایک خاص شمارہ محدث عصر مولانا انظر شاہ کشمیریؒ کی حیات وخدمات پر محیط تھا دیوبند کے اس ادیب لبیب اور بے بدل خطیب کے حوالے سے یہ واحد ضخیم اور دستاویزی شمارہ تھا جس میں مولانا انظر شاہ کشمیریؒ جیسی عبقری شخصیت کی ملی، دینی، تصنیفی خدمات سے متعارف کرانے کی کوشش کی گئی اس طرح ''حسن تدبیر'' نے سلسلہ دیوبند کے ان تینوں اکابر کو جو خراج عقیدت پیش کیا ہے وہ قابل تحسین وتبریک ہے۔ ''حسن تدبیر'' نے اوقاف سے متعلق بھی ایک شمارہ شائع کیا جو یوں بھی اہمیت کے حامل ہے کہ آج اوقاف کی جو صورت حال ہے اس سے بہت کم لوگ آگاہ ہے۔ ''حسن تدبیر'' کے شمارے اپنے محتویات اور مشمولات کے اعتبار سے بھی ذہن وفکر کے نئے دریچے کھولتے ہیں اور ہمارے منجمد احساس کو مرتعش بھی کرتے ہیں۔

حقانی القاسمی

مغرب کا زوال

اور مسلم نشاۃ ثانیہ کے روشن امکانات

تصنیف

ڈاکٹر محمد امین

تلخیص

محمد علاء الدین ندوی

ناشر

آل انڈیا تنظیم علمائے حق

Q 25، الصمد روڈ، بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی۔۲۵

نام کتاب : مغرب کا زوال اور مسلم نشأۃ ثانیہ کے روشن امکانات

مصنف : ڈاکٹر محمد امین

تلخیص : محمد علاء الدین ندوی

ناشر : آل انڈیا تنظیم علمائے حق، بٹلہ ہاؤس، نئی دہلی۔

مطبوعہ : نتراج پرنٹرس، نئی دہلی

سن اشاعت : ۲۰۱۱ء

قیمت : سو روپے (-/100)

Name of the Book

Maghrib Ka Zawal Aur
Muslim Nishat-e-Saniya Ke Roshan Imkanaat

By: **Dr. Mohd. Ameen**
Edited by: **Mohd. Alauddin Nadvi**

Edition: 2011 *Price:* 100/-

Published by:
All India Tanzeem Ulama-e-Haq
Batla House, New Delhi

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

تلخیص کار کے قلم سے

امت مسلمہ تاریخ کے ہر دور میں دشمنان اسلام کا ہدف بنی رہی، دشمن اس پر مسلسل یلغار کرتا رہا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے پر تلا رہا، تاریخ میں کئی مواقع ایسے آئے کہ محسوس ہونے لگا کہ اب یہ امت زندگی کے افق سے غائب ہو جائے گی، مگر ہر بار اس نے سنبھالا لیا اور تازہ دم ہو کر تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ نمودار ہوئی، پچھلی دو تین صدیوں کے حالات کا جائزہ لیا جاتا ہے تو اس امت کے جسم سے مسلسل خون ٹپکتا ہوا نظر آتا ہے، کبھی وہ بے حد کمزور، نڈھال اور شکست وریخت سے دوچار ہوتی نظر آتی ہے، مگر یکایک ہمتیں جتاتی ہے اور افق عالم میں تازہ دم اور بلند عزائم وارادوں سے مالا مال نمودار ہوتی ہے۔ ذیل کی سطروں میں ہم امت مسلمہ کی ان بنیادی کمزوریوں کی نشاندہی کرتے ہیں جو اس کی زبوں حالی کے اسباب رہے ہیں، پھر معا بعد ہم اس کے مستقبل کے روشن امکانات کی جانب اشارے کریں گے۔

(ا) قول و عمل میں تضاد یا عملی نفاق: امت مسلمہ کی حالیہ زبوں حالی کا بنیادی سبب اس کا اپنے نظریہ حیات سے مسلسل پھسلنا اور سمٹنا ہے، اس کا عقیدہ شریعت سے اور اس کا نظریہ عمل سے جدا ہو کر اس کے ویران سینے میں جا پڑا ہے، اس کی پوری عملی زندگی اللہ کے قانون اور اس کی مکمل اطاعت کے سائے میں بسر نہیں ہوتی، بلکہ یا تو وہ اپنی مرضی کا غلام بن گئی ہے یا خود ساختہ انسانی قوانین کا پھندا اپنی گردن میں ڈالے بیٹھی ہے، بیشتر پیروکاروں کا حال یہ ہے کہ وہ جانتے سب کچھ ہیں مگر کرتے وہی ہیں جو ان کے مفادات اور خوہشات کا تقاضا ہوتا ہے، وہ ایمان کے اقرار

کے ساتھ عملاً انکار کو اور اسلام کے ساتھ نفاق عملی کو جمع کرنے کے عادی بن گئے ہیں، وہ دل سے خدا کے قانون کا احترام کرتے ہیں اور عملی طور پر انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کی پیروی میں لگ گئے ہیں، اپنے دل میں اسلامی تعلیمات کی اہمیت وعظمت کو محسوس کرتے ہیں اور زبان سے اظہار بھی کرتے ہیں مگر سوچتے غیر اسلامی دماغ سے ہیں، یہ نتیجہ ہے ان کے غیر اسلامی تعلیم وتربیت اور مغربی تہذیب سے سخت مرعوبیت کا جس سے ان کا دل ودماغ مسحور وخیرہ ہو گیا ہے، حال یہ ہے کہ یہ اب بھی مغربی فکر و تہذیب ہی کو ترقی کا ذریعہ اور نجات کا سفینہ سمجھتے ہیں۔

(۲) نسلی اور علاقائی تصور: اسلام جس نے عملاً عقیدۂ توحید اور اخوت کی بنیاد پر اپنے پیروکاروں کی ایک عالم گیر برادری قائم کی تھی بدقسمتی سے خلافت راشدہ کے بعد اس امت کو نسل، زبان، وطن، اور قومیت کا روگ لگ گیا، اسلام نے جن فطری اختلافات کو باہمی تعارف اور تعاون کی صورتیں بتائی تھیں ان کی گوناگوئی کو لوگوں نے عز وافتخار کا ذریعہ بنانا شروع کر دیا، بچی کھچی کسر انہوں نے مغرب کے سامراجی نسلی تصورات پر مبنی قومیت اور ہندوؤں کے درمیان پائے جانے والے خودساختہ طبقاتی نظام سے پورا کیا، انہوں نے بھی اپنے یہاں اونچ نیچ، شریف وکمین اور چھوٹی بڑی ذاتوں جیسے امتیازات کے خانے بنالئے، معاملہ ایں جا رسید کہ ان کا جذبۂ تنافر وتفاخر ظلم وعدوان کی حدوں تک جا پہنچا، اس غیر اسلامی نقطۂ نظر کو ہوا دینے میں اسلامی ممالک کے ان شاطر سربراہوں کا بھی حصہ ہے جو نسلی، لسانی، اور مسلکی کمزوریوں کو بڑھاوا دے کر اپنا الو سیدھا کرتے رہے تو دوسری طرف احیاء اسلام کی جدوجہد کرنے والے مصلحین و مخلصین ان کو ایک آنکھ نہ بھایا، چنانچہ وہ کیل کانٹوں سے لیس ہو کر ان کے خلاف نبرد آزما ہو گئے اور انہیں تختہ دار پر لٹکا کر ہی دم لیا۔

(۳) ذہنی غلامی: اس امت اور خاص طور سے مغرب زدہ دانشوروں کی ایک بڑی کمزوری ان کی ذہنی غلامی ہے، مغرب کے فکر وفلسفہ اور اس کے نظام ہائے

حیات کی خوشہ چینی کرنے والوں اور اسے اپنے لئے آئیڈیل بنانے والوں میں پیش پیش اسلامی ممالک کے حکمرانوں کا یہی طبقہ ہے، یہ لوگ اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت دینے اور اس کی خدمت کرنے میں صرف اس حد تک سرگرم رہتے ہیں کہ نماز روزے کے لئے مسجدیں بننے دیں اور سیکولرزم کے محدود دائرے میں 'مذہب' کے خانے کو باقی رکھیں ،بقیہ زندگی کے دیگر شعبوں مثلا معاشرت ،معیشت ،سیاست،ثقافت،تعلیم اور ابلاغ عامہ میں مکمل طور پر مغرب کی نقالی کرتے ہوئے ان اداروں کو سیکولرائزڈ (Secularized) کرنے کی پالیسی پر گامزن ہیں،اس قماش کے لوگوں نے فکر و تہذیب اور سیاست واقتدار کی کرسی سے لے کر اپنے لباس کے ڈیزائینوں، بالوں کے تراش وخراش ،اپنے چہرے مہرے، اپنی چال ڈھال اور اپنے بھید بھاؤ تک میں مغربی آئیڈیل کے سانچے میں ڈھل جانے کو ترقی اور کامیابی تصور کیا۔

(۴) **مقصد زندگی سے غفلت:** مقصد زندگی کا خالص اسلامی تصور اس امت کے ذہنوں سے اوجھل ہوگیا ہے، عبادت، خلافت، تزکیۂ نفس، رضاے الٰہی، ذکر الٰہی کا جامع تصور اور دنیا کے مقابلے میں آخرت کو مطمحِ نظر بنانے کا اسلامی جذبہ حد درجہ کمزور پڑ گیا ہے، اللہ ہی کو تنہا مقصود و مطلوب قرار دینے، اسی کا بندہ بن کر جینے اور مرنے، اس کائنات کا اور خود اپنے آپ کا محور اور مرکز اللہ ہی کو قرار دینے کا خیال جاہلانہ زندگی کے بوجھ میں دب گیا ہے، قوم، وطن، قرابت، رنگ، زبان اور نسل کی عصبیت سے اس کا قلب وضمیر آلودہ ہوگیا ہے، وہ اپنے معاشرے کو صبغۃ اللہ کے رنگ میں رنگ دینے ،اور امر و نہی کا فرض انجام دینے میں کتراتی رہی ہے، اس نے اجتماعیت و معاشرت ،معیشت و سیاست اور تعلیم و تربیت کو کتاب و سنت کے دائرے میں لانے کی کوئی جامع اور منصوبہ بند فکر نہیں کی، وہ بھول گئی کہ کبھی وہ اسلام کا ایسا چراغ تھی جس سے ہزاروں چراغ جلے تھے، وہ ایمان کی مضبوطی، کردار کی عظمت اور اپنی طاقتور اسلامی شخصیت کی وجہ سے اپنے آپ میں چلتی پھرتی اسلام تھی ، اس کے رگ و پے میں اسلام کی روح پیوست

ہی، اور قرآن وسنت نے کو اس طرح ڈھال کر کندن بنا دیا تھا کہ وہ دوسروں کو ڈھالنے کا سانچہ بن گئی تھی۔

(۵) ناخواندگی اور تعلیمی انحطاط : خواندگی کی کمی کا رونا تو ہر مسلمان کے ساتھ لگا ہوا ہے، یقیناً خواندگی کا مسئلہ بہت گنبھیر ہے، جہاں تعلیم ہے بھی وہاں مقصدیت کا فقدان ہے اور وہ فکری انحطاط سے دوچار ہے۔ تعلیم کے میدان میں مسلمانوں میں عموماً تین طرح کا نظام رائج ہے؛

سرکاری سطح پر پایا جانے والا نظام تعلیم : یہ نظام عالم عربی میں بساغنیمت ہے، مگر دیگر مسلمان ملکوں میں سرکاری تعلیم کا نظام نہایت پست ہے اور معیار مطلوب سے حد درجہ فروتر ہے۔ دوسرا نجی تعلیم کا نظام: نجی تعلیمی اداروں کی بہت کم گنجائش عرب ملکوں میں دیکھی جاتی ہے، البتہ برّ صغیر کے جن ملکوں میں یہ نظام پایا جاتا ہے وہاں یا تو روایتی تعلیم کا بندوبست ہے ان ہی سے بڑی حد تک معاشرے کی دینی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں اور یہی جو دینی قدروں کی بقا کی ضامن ہیں، تاہم اسلام کی وہ تعلیمی اسپرٹ ان میں نہیں دیکھی جاتی جس سے ایسے مخلص کارکی کھیپ ڈھلے جو نشأۃ ثانیہ کا بیڑا اٹھا کر میدان عمل میں آئے۔ تیسرا نجی تعلیم کا نظام وہ ہے جو عصری تعلیم کے لئے وجود میں آیا ہے، ان کی ساری جدوجہد کا مقصد اور مبلغ فکر وعلم اعلیٰ درجے کے حیوان ناطق کے معیار زندگی کو بلند کرنا ہوتا ہے۔ اس کے بڑے چھوٹے اسکولز اور کالجز خودرو پودوں کی طرح جگہ جگہ اگے نظر آتے ہیں اور یہ بھاری بھر کم فیس لے کر بچوں کو تعلیم دیتے ہیں، یہاں اسلامی تربیت، اسلامی شخصیت کی تعمیر اور اسلامی نظام زندگی کا تصور سرے سے غائب ہے، یہ شعوری اور لاشعوری طور پر مادی مشنری کے لئے کل پرزے تیار کرنے میں مشغول ہیں۔

(۶) غیر اسلامی طبقہ کی سیاسی بالا دستی : اس امت کی زبوں حالی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کے سیاسی نظام کی باگ ڈور اس کے ایسے سیاسی شاطروں کے ہاتھوں میں ہے جو مغرب کے کارندے اور عالم اسلام میں ان

کے گماشتے ہیں، یہ اپنی داخلی اور خارجی پالیسیاں انہی آقاؤں کے اشاروں پر وضع کرتے ہیں، یہ شورائی سسٹم اور جمہوری خلافت پر یقین رکھتے بھی ہوں تو اس کو مفید مطلب نہیں سمجھتے اور ان کا اپنا طرز حکمرانی اسلامی اصولوں پر پورا نہیں اترتا، یہ عوام کی سادہ لوحی اور ان کی جہالت کا ناجائز فائدہ اٹھا کر ان پر تسلط جمائے رکھنا چاہتے ہیں، جہاں انہوں نے جمہوریت کا ڈھونگ رچایا ہے، وہاں بھی تشدد، دھاندلی اور سیاسی بازیگری سے ہر صورت میں اقتدار سے چپکے رہنا چاہتے ہیں، مسلمان گھرانوں میں پیدا ہونے کی وجہ سے اور اسلامی سوسائٹی میں رہنے کی وجہ سے اگرچہ یہ مسلمان ہیں، مگر سوچنے، سمجھنے اور عمل و برتاؤ کے سانچے ان کے مغربی ہیں، مغربی تہذیب اور مغربی معاشرت ان کو عزیز ہے، ہر معاملے کو یہ مغرب کے اپنے آقاؤں کی عینک سے دیکھتے ہیں، ابھی تک مغرب سے مرعوبیت کا ایسا پردہ ان پر پڑا ہوا ہے کہ اس حیوانی تہذیب کی بے مہار آزادی اور اخلاقی بے راہ روی تو ان کو پسند ہے مگر ترقی کے وہ معروضی اصول جن کو اپنا کر مغرب دنیاوی ترقی اور قیادت کا مستحق بنا ہے اور اپنے اقتدار کا سکہ جمایا ہے ان کو نظر نہیں آتے۔

(۷) دشمنوں پر انحصار کی پالیسی: امت مسلمہ کی ایک بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ ان استحصالی قوتوں پر انحصار کرنے کی عادی بن گئی ہے جو قرضوں کی پیش کش کر کے معاشی طور پر ان کو غلام بنائے رکھنا چاہتی ہیں، اسلحہ سازی کے میدان میں اسے آگے نہیں بڑھنے دیتیں اور ایسے حالات پیدا کر دیتی ہیں کہ وہ مہنگے داموں ان سے اسلحے خریدنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، امت کی اکثریت کا حال یہ ہے کہ روٹی، لباس مکان، اور معیار زندگی کے پیچ وخم میں یوں الجھی رہتی ہے کہ دینی واخلاقی مورال بڑھانے اور سائنس اور ٹکنالوجی کے تحقیقی معیاری ادارے قائم کرنے کی فکر نہیں پاتی، جو ممالک اس سلسلے میں پیش قدمی کر سکتے ہیں انہیں دشمن کی پالیسیوں نے کچھ اس طرح اپنے چنگل میں لے لیا ہے کہ غریب اور امیر ہر دو اسلامی ممالک جابرانہ قوتوں پر انحصار کرنے پر مجبور ہیں، یوں آج بھی معاشی، سیاسی، سائنسی اور عسکری غلامی ان کی قسمت بن گئی ہے۔

یہ حال ہے نسلی مسلمانوں کا جن کے دل میں اقرار ایمان بھی ہے اور زبان سے اس کی تصدیق بھی، مگر عملی ثبوت کا وقت آتا ہے تو مکمل دین و شریعت کی پابندی سے کترا جاتے ہیں، ان کا ذہنی ارتقاسست اور غفلت کا شکار ہے، ان کے دین کا ناقص تصور ان کی ایمانی غیرت کو مہمیز نہیں دے پاتا، نہ انقلابانہ شان کے ساتھ دنیا کی قیادت کے لئے اٹھ کر ذمہ داری نبھانے کا خیال آنے دیتا ہے۔ سیاسی اقتدار جو خدا کی زمین میں خدا کا سایہ ہوتا ہے، اس سے تو وہ محروم ہیں، اقتدار کا سایہ نہ رہا تو تہذیب بے خانماں ہوگئی، پھر جوں جوں تہذیبی شناخت پامال ہوتی رہی غیروں کی تہذیب ان کی زندگی میں جگہ بناتی چلی گئی، مغربی سامراج اور دور و قریب کے دشمن تو یہی چاہتے ہی تھے۔

یہ ہیں امت کی کمزوریاں جن کا وہ شکار ہے، اس کے قبضے میں ۵۷ آزاد ممالک ہیں مگر وہ اپنے کینہ پرور دشمن کے خلاف کوئی متحدہ حکمت عملی وضع نہیں کرسکتی، کسی برادر اسلامی ملک میں ظلم وستم کی قیامت ٹوٹ جائے، یہ سارے ممالک مل کر مذمت کا ایک قرارداد پاس نہیں کرسکتے، اے کاش مسلمانوں کو اپنے اس طرز عمل کی غلطی کا احساس ہو جائے، کہ یہی شیوہ اور طرز عمل قوموں کو تباہ کر ڈالتا ہے، **واما ثمود فهديناهم فاستحبوا العمى على الهدى** رہے ثمود تو ہم نے ان کے سامنے راہ راست پیش کی مگر انہوں نے راستہ دیکھنے کے بجائے اندھا رہنا پسند کیا (حم سجدہ: ۱۷)۔

مگر تصویر کا دوسرا رخ بھی ہے، جب ہم پچھلی دو صدیوں کے زوال وانحطاط، اور اپنی ذہنی و جسمانی غلامی کی تاریخ کا آج کی صورتحال سے موازنہ کرتے ہیں تو امت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ کے روشن امکانات نظر آنے لگتے ہیں، تصویر کا یہ رخ مایوسی کو قریب پھٹکنے نہیں دیتا۔ حالات نامساعد ہیں، مگر یہی حالات امت سے تقاضا کرتے ہیں کہ وہ پر امید ہوکر، مثبت طرز عمل اپنا کر، گرد و پیش کے حالات کا بصیرت مندانہ جائزہ لے کر، حکمت کی راہ اپنا کر اور اللہ پر بھروسہ کرکے آگے بڑھے، امت مردہ نہیں ہوگئی، وہ زندہ ہے، ہاں وہ بیمار ہوگئی ہے، اس کے سنبھلنے اور تازہ دم ہوکر غلبہ پانے کے روشن امکانات

موجود ہیں، اس کے زندہ ہونے کا ثبوت یہی ہے کہ جابر و ظالم قوتیں اس پر تابڑ توڑ حملہ کرتی رہتی ہیں اور یہ ہمیشہ ان کے نشانے میں رہتی ہے، یہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ یہ زندہ بھی ہے اور سخت جان بھی، اسے خس و خاشاک کی طرح بہالے جانے کے لئے جب بھی مغرب و مشرق سے طوفان اٹدا اس کے قدموں کا جماؤ بڑھ گیا اور اس کے گوہر ایمان کو سیرابی مل گئی، آج یہ امت اپنے ضعف و ناتوانی سے نکل کر توانا و تندرست ہو رہی ہے، یہ صحیح ہے کہ لادینیت کے مرکز میں New World Order کی سازش رچی جاچکی ہے، مگر حالات اشارے دے رہے ہیں کہ اس گمراہ کن نعرے کو صحیح سمت میں لے کر آگے بڑھنے کے لئے اسلامی تہذیب میدان میں اتر چکی ہے، عالم اسلام پہ توڑے جانے والے ظلم و ستم کا پانی اب سر سے اونچا ہو چکا ہے، اس لئے لازما ایک مبارک ردعمل سیل رواں بن کر مغرب کو بہالے جانے کے لئے پھوٹ پڑا ہے، یہ سیل بے کراں اب رک نہیں سکتا، یہ امت ہمیشہ کمزور اور پسپا نہیں رہ سکتی، کیونکہ یہ دین فطرت کی حامل ہے، یہ امانت الٰہی کی امین ہے، یہ ایک لپکتا ہوا شعلہ ہے، یہ ایک مبارک آندھی ہے، یہ ایک سوتا ہوا شیر ہے، اس کا حال اس کے روشن مستقبل کے امکانات کا پتہ دے رہا ہے، ذیل کی سطور میں ہم ان امکانات کے لئے ان ضروری صلاحیتوں اور بنیادی خوبیوں کی طرف اشارے کرتے ہیں جو اس امت کی خمیر میں پائی جاتی ہیں۔

۱۔ ایمان کی قوت :اس امت کی سب سے بڑی قوت اس کی قوت ایمانی ہے، اس قوت ایمانی کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے، اس کی تمام تر کامیابیوں اور فتح مندیوں کا راز اس کے ایمان ہی میں پوشیدہ ہے، یہ ایمان جب اس کی ذہنی، جذباتی فکری اور عملی زندگی میں خون بن کر گردش کرتا ہے تو اس کی زندگی میں وہی نشو و ارتقاء ہوتا ہے جس طرح سے صالح خون سے صحت مند جسم کا ارتقا ہوتا ہے، ایمان ہی کی طاقت سے فرد کی سیرت بنتی اور نکھرتی ہے اور اجتماعی سطح پر اتحاد اور اخوت قائم ہوتی ہے، ایمان جب فکر و عمل سے الگ ہو کر مجرد اقرار رہ جاتا ہے تو وہ بے جان نظریہ بن جاتا ہے، اس

حقیقت کا ادراک ابلیس اور اس کی ذریت کو خوب ہے، اس لئے اس کا اصل ہدف اسی ایمانی قلعے کو ڈائنامائٹ کرنا رہا ہے، ایمان ہی اس امت کے بننے اور بگڑنے کی بنیاد ہے، یہی اس کو عروج اقبال سے ہمکنار کرتا ہے، یہی اس کا اثاثہ ہے، اسی کی خاطر اس کا جینا اور مرنا ہے، اس ایمان کا بہت کچھ سرمایہ آج بھی اس کے پاس موجود ہے اور دشمن اسی لئے اس سے لرزاں و ترساں رہتا ہے اور کوشاں رہتا ہے کہ اس کا ایمان شعلہ جوالہ نہ بننے پائے۔

۲۔ **حب رسول کا جذبہ**: امت مسلمہ کی طاقت کا دوسرا سرچشمہ رسول اللہ سے سچی محبت ہے، مسلمان اس جذبے سے سرشار رہتا ہے کہ آپ الہ العالمین کیمحبوب ہیں، آپ ہی نے بندگان خدا کو ان کے حقیقی رب سے ملایا ہے، آپ ہی نے طاغوتی طاقتوں کے جہنم سے نکال کر ان کو ابدی جنت کا راستہ دکھایا ہے، آپ ہی نے مثالی انسان کی حیثیت سے محاسن اخلاق کی تکمیل فرمائی ہے، آپ ہی نے پاکیزہ معاشرہ اور دین و دنیا کی بھلائیوں پر مشتمل عدل پرور نظام زندگی عطا فرمایا ہے، دنیا کی فتح مندی اور آخرت کی کامیابی کے لئے آپ ہی آئیڈیل ہیں، آپ ہی منشائے ربانی کا ماڈل ہیں، قرآن کا زندہ نمونہ، حق و صداقت کے آفتاب اور سیرت و کردار کے ماہتاب ہیں، آپ محبوب سبحانی بھی ہیں اور محبوب انسانی بھی، آپ کی محبت ہی ہماری صلاحیتوں اور امیدوں کے دیئے روشن کرتی ہے اور اسلام و ایمان کی خاطر مر مٹنے کا حوصلہ دیتی ہے، اسی محبت کے تقاضوں کو بروئے کار لا کر ہی ہم اسلامی نشاۃ ثانیہ کے خواب کو پورا کر سکتے ہیں۔

۳۔ **کلیت پسندانہ دین کا تصور**: اس امت کی بڑی خوبی اور اس کی بڑی قوت اس کا وہ دین ہے جو کل انسانی زندگی کے لئے کامل و اکمل، دائمی دستور العمل اور ہمہ گیر نظام زندگی کے طور پر اتارا گیا ہے، یہ ایک تاریخی حقیقت کا اعتراف ہوگا کہ اللہ کی توفیق سے عصر حاضر میں اس دین کی جامع تعبیر سامنے آئی ہے، اس کے کلیت پسندانہ ربانی تصور کو کچھ ایسے انقلابانہ اور مجددانہ عصری آگہی اور ادبی لب و لہجہ میں پیش کیا

گیا ہے کہ عالم اسلام میں متعدد احیائی تحریکات وجود میں آئیں جن کا مقصد خدا کے پسندیدہ دین، حیات آفریں آئین اور مکمل تہذیب کو نجات دہندہ نظام زندگی کی حیثیت سے اپنانے کا ولولہ پیدا ہوا۔ ایشیا و افریقہ کے علاوہ یورپ و امریکا کے براعظموں میں بھی اسلامی بیداری کی ایسی مبارک لہریں ابھر چکیں ہیں کہ غیر مسلموں تک میں اسلام سے تعارف حاصل کرنے کی پیاس بڑھتی جاتی ہے، جن مبارک تحریروں اور تحریکوں نے اپنے خون جگر سے شجر اسلام کی آبیاری کی اس شجر کی فکری علمی ،سیاسی ،اقتصادی ،معاشی ،معاشرتی ،تعلیمی و تربیتی خلیوں میں زندگی کی رو دوڑنے لگی ہے۔

۴۔ **وسائل کی فراوانی** :اللہ تعالیٰ نے عالم اسلام کو اس کرۂ زمین میں جو خطہ اور جائے وقوع بخشا ہے وہ دفاعی، عسکری، تجارتی اور معاشی حیثیت سے نہایت اسٹریٹیجک لوکیشن ہے، انڈونیشیا سے لے کر طنجہ (مراقش) تک مسلمان کھڑا ہے، افریقہ کے پورے براعظم میں مسلمان اکثریت میں ہیں، نہر سوئز اور بحر قلزم مکمل مسلمانوں کے پاس ہے، دنیا کے چار براعظموں (امریکا کو چھوڑ کر) کے بری بحری اور فضائی رابطے دنیائے اسلام سے مربوط ہیں۔ معدنیات کے اور تیل وگیس کے ذخائر سے یہ خطہ مالا مال ہے۔ عراق وافغانستان پر امریکی جارحیت کا بنیادی مقصد اور انسان کشی کا اصل سبب ان کے قدرتی ذخائر پر قبضہ کرنا تھا۔

۵۔ **افرادی قوت** :دنیا میں اس وقت مسلمانوں کی آبادی ڈیڑھ ارب کے لگ بھگ ہے، اس میں اٹھارہ تا بیس سال کے نوجوانوں کا تناسب ۴۳ فیصد ہے، اگر امت کے ان نوجوانوں کی تعلیم و تربیت ان خطوط پر کی جائے جو آپ ﷺ کے پیش نظر رہا تو صرف دو تین دہائیوں میں سبز انقلاب آسکتا ہے اور اسرائیل جیسا کڑیل اور کائیاں دشمن چند گھنٹے نہیں ٹک سکتا۔ امت مسلمہ کی افرادی قوت کے بالمقابل اہل مغرب اور مغرب زدہ ملکوں میں اللہ تعالیٰ نے خاندانی نظام سے بے زاری ،اسقاط حمل اور فیملی پلاننگ کا ایسا شیطان مسلط کر دیا ہے کہ روز بروز ان کے نوجوانوں کا تناسب گھٹتا جا رہا

ہے، اللہ نے چاہا تو ان کی افرادی قوت کی کمی اور ہماری افرادی قوت کی زیادتی اور اسلام نوازی مسلم نشاۃ ثانیہ کے لئے تقویت کا باعث ہوگی۔ بشرطیکہ صحیح منصوبہ بندی کے ذریعے نوجوانان اسلام کی ذہنی ساخت اور علمی کردار کو اسلام کے منشا و مقتضیات کے مطابق ڈھالا اور سنوارا جائے۔

۶۔ **عالمی امت** : امت مسلمہ کی بڑی طاقت اس کے ضمیر و عقیدہ میں مضمر ہے، وہ اس عالمگیر خدائی مشن کا علمبردار ہے جو اسلام کے نام سے جانا جاتا ہے، یہ اسلام آخری اور ابدی پیغام کی شکل میں پیغمبر اعظم و آخر کے ذریعہ تمام انسانوں کے لئے رحمت وہدایت کا پیغام بن کر آیا ہے، جس طرح انسان کے بارے میں اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ سب کے سب آدم وحوا کی اولاد ہیں اور اپنی تخلیق وتکوین اور موت وحیات میں سب برابر ہیں، بالکل اسی طرح سے اسلام بھی سارے انسانوں کا دین ہے، جو خالص خدا پرستی کی تلقین کرتا ہے، یہ قوم، قبیلہ، خاندان، نسل، رنگ، وطن، جغرافیائی حدود وقیود کو تعارف سے زیادہ کسی اور چیز کی بنیاد نہیں بناتا، مسلم امت اپنے دین و پیغام کے حوالے سے واحد عالمگیر امت ہے، جو اللہ کی بندگی کی بنیاد پر دنیا کے ہر سطح کے انسان کو اور ہر دور کے انسان کو اپنی برادری میں سمیٹ لیتا ہے۔ اگر داعیان اسلام امت کی اس عالمی طاقت کو صحیح طور پر دین ودعوت کے خدائی نہج پر متحرک (mobilize) کریں پھر اس کی طاقت کے سامنے دنیا کی کوئی طاقت پر نہیں مار سکتی۔

۷۔ **مکافات عمل یا جزاء و سزا کا عقیدہ** : خدا کی صفت عدل کا بہترین نمونہ ومظہر اس کائنات کا نظام اور انسان کی تخلیق ہے، جو عدل وتوازن کا شاہکار ہے، اس صفت عدل کا تقاضا یہ ہے کہ اس دنیا (جو دار الامتحان اور دار الجزاء ہے) کے بعد دار الجزاء قائم ہو، اس دار الجزاء اور آخرت میں نجات اور کامیابی کا مدار اعمال صالحہ پر رکھا گیا ہے نہ کہ نسلی امتیاز اور شفاعت کے غلط عقیدے پر۔ آخرت میں اعمال صالحہ کی بنیاد پر نجات کا تصور اس امت کی اخلاقی اور روحانی طاقت کا منبع ہے، یہی تصور دنیا میں ایک

مسلمان کے مقصد زندگی کا تعین کر دیتا ہے اور عمل صالح کا ذخیرہ زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کی دوڑ میں شریک بنا دیتا ہے، یہی تصور خدا کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کا گہرا شعور پیدا کر دیتا ہے کہ وہ دنیا میں ذمہ دار بن کر رہتا ہے، وہ اندھوں کی طرح سے رہنا پسند نہیں کرتا، فتنہ وفساد سے دور بھاگتا ہے، زندگی کی مہلت کو گراں قدر امانت سمجھتا ہے، یہی تصور اس کو ابلیس کے بہکاوے میں آنیا ور اپنے نفس کی بندگی میں مبتلا ہونے سے روکتا ہے۔ لہذا مکافات عمل کا تصور اس امت کی ایک ایسی زبردست طاقت ہے کہ اس کو مطمح نظر بنالے تو آخرت سے پہلے ہی یہ دنیا جنت نشاں بن جاتی ہے اور جب تک نظریۂ حیات سے وابستہ رہتی ہے فساد فی الارض میں مبتلا نہیں ہوتی اور جب تک فساد فی الارض سے محفوظ رہتی ہے، زمین کا وارث بن کر خلافت ارضی کی خدمت انجام دیتی ہے۔

اگر امت مسلمہ اپنی حالیہ کمزوریوں پر ایک حد تک قابو پالے، اپنی خوبیوں کو کما حقہ اپنا لے اور دنیا کے منظر نامے پر روحانی و مادی طاقت کے ساتھ اسلام کے عادلانہ نظام۔ خصوصا معاشی نظام۔ کو اس وقت ایک ماڈل کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کرے تو اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا راستہ صاف ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کھوکھلا ہونے کو ہے، اسلامک بینکنگ سسٹم وقت کی ضرورت بنتی جا رہی ہے، یہی وہ وقت ہے کہ امت اپنے کو زوال کے داخلی اور خارجی اسباب سے نکلے اور عروج واقبال کے نسخے کو آزمائے۔

اس کتاب کے مصنف نے اسی نسخۂ کیمیا کی وضاحت کی ہے، ان کی نظر میں زوال سے نکلنے اور عروج حاصل کرنے کا بنیادی نسخہ اسلامی اصولوں پر انسان سازی اور صحیح اصولوں پر تعلیم وتربیت، تزکیہ ودعوت اور اصلاح کا کام ہے، موصوف اپنی اس کتاب میں بتاتے ہیں کہ سطح بیں لوگوں کا خیال ہے کہ عروج کا راستہ سائنس وٹیکنالوجی میں ہے، حالانکہ اصولا مسلمانوں کے عروج کا راستہ اخلاص کے ساتھ نظریۂ حیات کو اپنانے میں مضمر ہے، مصنف نے اپنی اس تصنیف میں مسلمانوں کی کمزوریوں، مغرب کے متوقع زوال اور مسلم نشاۃ ثانیہ کے منہاج پر معروضی بحث کی ہے۔ یہ ایک نہایت قیمتی

تصنیف ہے جس کا مطالعہ ہر اس اسلام دوست کو کرنا چاہئے جو اس کے جھنڈے کو دنیا کے منظر نامے پر لہراتے ہوئے اور امت مسلمہ کے کھوئے ہوئے مقام کو بحال دیکھنے کا آرزو مند رہتا ہے، ہم نے ایک تلخیص کار کی حیثیت سے اس کے تمام ضروری، مفید اور قیمتی مواد لے لئے ہیں بلکہ کتاب کی روح کشید کر لی ہے۔

آخر میں 'آل انڈیا تنظیم علمائے حق دہلی' کا ذکر خیر کئے بغیر رہا نہیں جا سکتا، جو ایک منظم، متحرک اور فعال تنظیم بن کر ابھری ہے، جس نے بہت کم وقت میں مسلم نوجوانوں میں بیداری اور امت کو دینی، فکری اور معاشرتی وحدت کی ایک لڑی میں پرونے کی قابل قدر خدمت انجام دی ہے اور قومی سطح پر اپنی ایک پہچان بنائی ہے، خاص طور سے جدید تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر تنظیم نے مثبت اور صالح دینی فکر و نظر کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا ہے، تاکہ ملی ذہن و شعور کو مسلم نشاۃ ثانیہ کی سمت موڑا جا سکے، اس سلسلے میں تنظیم کے اشاعتی محاذ سے متنوع موضوعات پر جو قیمتی مواد منظر عام پر آیا ہے وہ ذہنی فکری جمود کو توڑنے اور امت کو خواب غفلت سے بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے، راقم الحروف اس تنظیم کے قائد اور بانی حضرت مولانا محمد اعجاز عرفی قاسمی جو علم و ادب کے شیدا اور دردمند دل کے مالک ہیں کا بیحد شکر گزار ہے کہ مسلم نشاۃ ثانیہ کے مثبت کاز کو مہمیز لگانے والی زیر نظر تصنیف کو اپنے ادارے سے شائع فرما رہے ہیں۔ اللہ ان کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور تنظیم کے دیگر مطبوعہ لٹریچر کی طرح اِسے بھی قبولیت عطا فرمائے اور اس کے پڑھنے والوں کو اسلامی نشاۃ ثانیہ کے مبارک کام میں حصہ دار بنائے، آمین۔

محمد علاء الدین ندوی

ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۲۴ مارچ ۲۰۱۱ء

پیش لفظ

یہ کتاب لکھنے کا خیال ہمیں اس وقت آیا جب ہمارے ایک دوست نے یہودی پروٹوکولز کا اردو میں ترجمہ کیا اور ہمیں بھیجا، یہودی پروٹوکولز ۱۸۹۷ء میں یہودی دانشوروں نے مرتب کئے جب کہ یہودی دنیا میں بے وقعت اور بے نام تھے۔انہوں نے اس پسماندگی اور کمزوری کی حالت میں مستقبل میں غالب آنے کا پروگرام بنایا اور اس پر عمل پیرا ہوگئے، چنانچہ آج وہ اپنی محنت، صبر، لگن اور منصوبہ بندی سے اپنے اکثر اہداف کے حصول میں کامیاب ہوچکے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ مضبوط اور طاقتور ہونے کی منصوبہ بندی کرنے کا صحیح وقت وہی ہوتا ہے جب آدمی کمزور اور نحیف ہو بشرطیکہ اس کے اعصاب واوسان قابو میں ہوں اور ان کی عقل ماؤف نہ ہوچکی ہو۔اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ مسلم نشاۃ ثانیہ پر غور کرنا اور اس کیلئے حکمت عملی اور لائحہ عمل وضع کرنے کا مناسب ترین وقت آج ہی ہے جب کہ دنیا میں کمزور اور بے بس دشمن ہمیں مٹا دینے پر تلا ہوا ہے۔

ہاں! یہ صحیح ہے کہ یہ کام انفرادی کی بجائے اجتماعی دانش کا تقاضا کرتا ہے اور ہمارا دشمن اپنے ہر معاملے میں اپنے تھنک ٹینکس کے ذریعے اجتماعی دانش ہی کو بروئے کار لا رہا ہے، لیکن ہماری نکبت کا ایک بڑا سبب ہمارا تشتت اور انتشار بھی ہے جس نے ہمیں غیر منظم اور غیر متحرک بنا رکھا ہے، اس لئے ہم نے اس فرض کفایہ کو ادا کرنے کی یہ طالب علمانہ کوشش کی ہے، اس توقع میں کہ شاید یہ کوشش مسلم اہل دانش کے لئے مہمیز کا کام دے اور اللہ کرے کہ مستقبل میں ایسے حالات پیدا ہوجائیں کہ مسلمانوں کی اجتماعی دانش اس قسم کے کسی منصوبے کیلئے بروئے کار آسکے۔اگرچہ مغرب (یورپ وامریکہ) کی اسلام اور مسلم

دشمنی پہلے بھی کوئی راز نہ تھی لیکن ۱۱ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعہ کی آڑ میں امریکہ کسی لاگ لپٹ کے بغیر اب علی الاعلان مسلم ممالک کو ایک ایک کر کے تباہ و برباد کرنا شروع کر دیا ہے۔ پہلے افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی اور پھر عراق کی۔ ادھر اسرائیلی روز فلسطینیوں کو ذبح کرتے ہیں اگلا نمبر غالباً شام یا ایران کا ہوگا اور پھر پاکستان اور دوسرے مسلم ممالک کی باری آئے گی، ان واقعات نے اس حقیقت کو ابھار کر نمایاں کر دیا ہے کہ مغرب آج بھی غالب اور بالا دست ہے اور مسلمان آج بھی ذلت و پسماندگی کا شکار ہیں۔ فتح و غلبہ آج بھی مغرب کے لئے ہے اور ذلت و رسوائی اور دکھ اور تکلیفیں آج بھی مسلمانوں کے لئے ہیں، ان حالات میں مسلمانوں میں ان سوالات کا پیدا ہونا فطری ہے کہ:

مغرب باطل کا علمبردار ہونے کے باوجود قوی اور بالا دست کیوں ہے؟

مسلمان حق پر ہونے کے باوجود ضعیف و پسماندہ کیوں ہیں؟

وہ اس پسماندگی سے نکل کر کیسے عروج اور ترقی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں؟

آئندہ سطور میں انہی سوالوں کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

ظاہر ہے یہ کوئی اچھوتا موضوع نہیں ہے کہ اس بارے میں کہی جانے والی ساری باتیں نئی ہوں تاہم توقع ہے کہ اس تحریر کے ذریعے فکر و نظر کے بعض نئے گوشے قارئین کے سامنے آئیں گے اور مسلم نشاۃ ثانیہ کے لئے کچھ کرنے کا جذبہ بھی ان کے اندر پیدا ہوگا۔

ہمارا اسلوب نہ فلسفیانہ ہے اور نہ ادیبانہ، بلکہ سادہ ہے اور ہم اسے ہی افہام و تفہیم کے لئے موزوں سمجھتے ہیں۔ گو اس سے علمیت کا رعب نہیں پڑتا اور وہ مقصود بھی نہیں ہے، اللہ کرے یہ تحریر مسلمانوں کو فہم حقائق میں مدد دے اور ان کے جذبہ عمل کو انگیخت کرے تاکہ وہ اپنی دنیا و آخرت کی بہتری کیلئے اٹھ کھڑے ہوں۔

محمد امین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ کتاب

پروفیسر عبدالجبار شاکر

پیش نظر کتاب ''مسلم نشاۃ ثانیہ۔ اساس اور لائحہ عمل'' ایک فکر انگیز تصنیف ہے ،جس میں دور حاضر میں اسلام اور مغربیت کی کشمکش کے حوالے سے وقائع عالم کا تجزیاتی اور تحلیلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ عصر حاضر میں امت مسلمہ جس سیاسی اور معاشی صورت حال سے دوچار ہے اور اس کے نتیجے میں اسلامی ممالک اور معاشرے جس اضطراب اور نفسیاتی مرعوبیت کا شکار ہیں، اس صورت حال سے نکلنے اور چھٹکارا پانے کی کیا راہ ہوسکتی ہے، فاضل مصنف نے ملت اسلامیہ کے اس سب سے بڑے اور نازک سوال کا مثبت اور قابل عمل جواب فراہم کیا ہے۔ عالم اسلام اور ملت اسلامیہ موجودہ ذلت اور پستی سے نکل کر عروج وترقی سے کیسے ہم کنار ہوسکتے ہیں؟ یہ کتاب اسی سوال کا منضبط، تحقیقی اور مثبت جواب فراہم کرتی ہے۔

اس فکر انگیز تحقیقی مطالعے کے مصنف ڈاکٹر محمد امین صاحب ہمارے علمی حلقوں کی ایک جانی پہچانی اور معروف شخصیت ہیں۔ انہیں عالم اسلام کی مختلف جامعات میں قدیم وجدید اور منقول اور معقول کے مطالعات کے مواقع حاصل رہے ہیں جس کے باعث ان میں وہ ادراک، شعور اور بصیرت دکھائی دیتی ہے جو اس نوعیت کے موضوعات کے منہج تحقیق کے لئے ناگزیر ہے۔ انہوں نے بیسویں صدی عیسوی کے نویں عشرے میں ''عصر حاضر اور اسلام کا نظام قانون'' کے عنوان سے ایک ایسا تحقیقی مقالہ لکھا، جس میں ملت

اسلامیہ کی تشکیل نو کا جدید اسلامی تناظر ملتا ہے۔ وہ عذبِ دانش حاضر سے باخبر ہیں اور اس آگ کی تپش کو مثل خلیل محسوس کر چکے ہیں۔ یہی باعث ہے کہ ان کی تحریروں میں عصر حاضر کی آگہی کے ساتھ ساتھ اجتہادی سطح پر ملت اسلامیہ کی بیماریوں کا تریاق بھی تجویز کیا گیا ہے۔ مجھے فاضل مصنف کی علمی سرگرمیوں اور ذہنی توانائیوں کا ایک مدت سے علم ہے۔ گزشتہ دس سال سے مجھے ان کے ساتھ اسلامی نظام تعلیم کی تشکیل نو کے اسالیب و مناہج اور ان کی روشنی میں نصابات کی تدوین نو کی تفصیلات تجویز کرنے کا موقع ملا ہے۔ یہ ان کے دل ودماغ کی زرخیزی تھی کہ انہوں نے الٰہیات کی تشکیل نو کا جو علمی سفر اپنے زمانۂ طالب علمی میں طے کیا، اب اس کی صورت یہ ہے کہ وہ محض اس موضوع کے تجزیہ و تحلیل میں گھر کر نہیں رہ گئے بلکہ اس کیلئے جادۂ نو اور اسلوب تازہ کو پیش کر رہے ہیں۔ ان کے نزدیک ملت اسلامیہ کی نشاۃ نو کے لئے ناگزیر ہے کہ ہم علم و تحقیق کے میدان میں اپنے کھوئے ہوئے مقام کی از سر نو جستجو کریں۔

ملت اسلامیہ کے حساس اور ذی شعور حضرات اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ افغانستان میں سوویت یونین کی فوجی اور سیاسی شکست کے نتیجے میں اشتراکیت کو بطور ایک علمی، معاشی اور سیاسی تحریک کے جو صدمہ پہنچا اور دھچکا لگا ہے، اس کے نتیجے میں روسی مملکت عالمی اقتدار کے منظر نامے سے محو ہوگئی اور اب عالمی اسٹیج پر تنہا امریکہ کو اپنا ابلیسی کردار ادا کرنے کے مواقع حاصل ہو گئے ہیں۔ پوری دنیا گزشتہ دو عشروں سے اس رقص ابلیس کی انگڑائیاں دیکھ رہی ہے۔ نیو ورلڈ آرڈر کے چابک سے اب پوری نسل انسانی کو بالعموم اور عالم اسلام کو بالخصوص چلانے اور ہانکنے کا کام لیا جا رہا ہے۔ دنیا کی اس یک محوری قوت کا موجودہ اور حالیہ لائحہ عمل ایک ایسے تجزیے پر مبنی ہے جو ہارورڈ یونیورسٹی (Harvard University) امریکہ کے ایک پروفیسر سیموئل پی ہنٹنگٹن (Samuel P.Huntington) نے 'تہذیبوں کے تصادم' Clash of Civilizations) کی اصطلاح میں پیش کیا ہے، یہ اصطلاح سب سے پہلے ۶ اگست

۱۹۹۴ء کو 'The Economist' میگزین کے ایک شمارے میں شائع ہوئی ۔اس میگزین میں پروفیسر موصوف کے چند مضامین A Servey of Islam کے عنوان سے سامنے آئے۔پروفیسر موصوف کی اس فکر کا ملخص یہ ہے کہ سقوط روس کے بعد اقوام وملل کے درمیان آئندہ تصادم اقوام وممالک کے درمیان نہیں بلکہ تہذیبوں اور ثقافتوں کے درمیان ہوگا۔پروفیسر موصوف مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چین کی کنفیوشس کی تعلیمات پر مبنی تہذیب یا برصغیر کی ہندی تہذیب سے مغربی تہذیب کو کوئی خطرہ یا تشویش لاحق نہیں ۔اگر مغربی تہذیب کا تصادم مستقبل میں کسی ایک تہذیب سے ممکن ہوسکتا ہے تو وہ اسلامی تہذیب ہے جو تنہا اور واحد ہماری حریف ہے۔

پروفیسر موصوف نے جن مزید موضوعات پر قلم اٹھایا ہے، ان میں اسلام میں شوریٰ کی حیثیت ،عورت کا مقام،سود کا تصور اور انٹرنیشنل بینکنگ وغیرہ جیسے موضوعات شامل ہیں ۔ پروفیسر موصوف کی کتاب کے انگریزی متن کو بغور پڑھا جائے تو یہ ایک ایسا زہر میں بجھا ہوا خنجر ہے جو ملت اسلامیہ کو ان کے بنیادی عقائد اور تہذیبی اقدار سے منقطع کرتے ہوئے ان کے سینے میں اس کاری گری سے پیوست ہوا ہے کہ ایک مدت تک اسلامیان عالم کے صرف چند نفوس ہی اس طریق واردات کو سمجھ پائے مگر اب پوری ملت اسلامیہ اس زہر ہلاہل کے اثرات وعواقب سے دوچار ہے۔دنیا کی یہ یک محوری طاقت اسی مذکورہ فکر کے نتیجے میں عالم اسلام کی مختلف قوتوں سے نبرد آزما ہے ۔عالم اسلام اس کے پنجۂ خونیں میں اسیر اور نخچیر بن کر رہ گیا ہے۔ڈاکٹر محمد امین صاحب کی پیش نظر تصنیف اسی پنجۂ خونیں سے رہائی کا آبرومندانہ اور وحی والہام پر مبنی حقیقی راستہ دکھاتی ہے۔

اس تعارف کے مسک الختام پر یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ عالم اسلام کو اپنی حکمت عملی کی تشکیل نو میں اصل جہاد انسان سازی اور علم وتحقیق کے اس راستے پر از سر نو گامزن ہونے کا ہے۔تاریخ کے جس مرحلے پر ہمارے زوال کا آغاز ہوا،ہمیں اسی مقام سے ہی

اپنے سفرنو کو جاری کرنا ہوگا۔ مادے اور کائنات کی تسخیر کو کام میں لاتے ہوئے انسانیت کے لئے فلاحی معاشرہ اور رفاہی ریاست کو تشکیل دینا اسلام کی حکمت عملی کا منہج خاص ہے۔ مسلمانوں کو ابھی تک یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ اپنے عقائد کی دولت کے ساتھ ان کے پاس ان کا خاندانی نظام ابھی تک قدرے محفوظ ہے، جس پر ثقافتی یلغار اور بھی تیز کردی گئی ہے۔ ہمارے دینی مدارس اور جامعات جو اسلامی فکر کے حقیقی مورچے ہیں ،ان پر شب خون جاری ہے۔ ہمیں ان جامعات میں عصری شعور کے ساتھ اعلیٰ تحقیقی اسلوب اختیار کرنا ہے۔ مستقبل قریب میں امید ہے کہ عالم اسلام کے مختلف مراکز میں ایسے خصوصی شہر (Expert Cities) آباد کئے جاسکیں گے۔ جہاں مختلف مہارتوں کے دانشور اور سائنس دان جمع ہوکر عالم اسلام کو فکری رہنمائی فراہم کرسکیں، جس کے بغیر ہمارا سفر رائیگاں ہوسکتا ہے؟ جیسا کہ مصنف نے تجویز کیا ہے کہ امہ کے مفکر اور دانشور مل کر ایک ''مرکز مطالعہ مسلم نشاۃ ثانیہ'' قائم کریں جس میں مسلم امہ کے زوال کے اسباب اور نشاۃ ثانیہ کے طریق کار پر غور وفکر کیا جاسکے، اسی طرح انہوں نے 'مرکز مطالعہ مغرب' کے قیام کی تجویز دی ہے تاکہ مغرب کی مسلم دشمن حکمت عملی اور ریشہ دوانیوں کا توڑ سوچا جاسکے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے مسلم نشاۃ ثانیہ کے خواہش مند افراد، اداروں اور حکومتوں کو یہ مشورہ دیا ہے کہ مذکورہ اداروں کی فکر و تحقیق کو روبہ عمل لانے کے لئے ایک 'اسلامی یک جہتی محاذ' یا 'اسلام سالیڈ یرٹی فرنٹ' قائم کریں تاکہ مسلم نشاۃ ثانیہ کا تصور سوچ اور گفتگو سے آگے بڑھ کر عمل کا روپ دھار سکے۔ ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اگر یہ ادارے قائم کردیے جائیں تو مسلم نشاۃ ثانیہ کی منزل کی طرف جانے والے سفر کا ایک عمدہ آغاز ہوجائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے عقیدے اور فطرت میں غلبہ موجود ہے مگر یہ غلبہ دوسری اقوام کیلئے بھی سرمایۂ رحمت ہے۔ اس لئے گلوبلائزیشن کے اس مرحلے میں یہ مغربی تہذیب نہیں بلکہ اسلامی تہذیب ہے جو ایک طرف امن عالم کی سلامتی کی ضمانت فراہم کرتی ہے تو دوسری طرف تہذیب انسانی کو صالح ترقی واقبال کے مدارج

سے آشنا کر سکتی ہے۔ یہی اس کتاب کا وہ فراموش کردہ سبق اور ہدف ہے جسے شعوری طور پر اختیار کرنے کی تلقین کی گی ہے۔ اپنے اس مقصد کے لحاظ سے یہ ایک کامیاب تصنیف ہے جس پر مصنف لائق تبریک ہیں۔ حق تعالیٰ ان کی اس فکر کو تعمیر ملت کے جادۂ نو کا نقش کامل بنائے اور امت کے دانشوروں کو اس سبیل نجات وفلاح پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ کتاب کا اسلوب حکیمانہ اور طرز مجتہدانہ ہے، فکر واجتہاد کا یہی چراغ بالآخر ہمیں اپنی منزل مقصود تک پہنچانے میں مددگار ہوگا۔

پروفیسر عبدالجبار شاکر

۱۱ستمبر ۲۰۰۴ء لاہور

اپنی ملت کو قیاس اقوام مغرب سے نہ کر

خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

باب اول

قوموں اور تہذیبوں کے عروج وزوال کے بارے میں اللہ کی سنت

فصل اول

انسانوں کے بارے میں اللہ کی اسکیم

اپنی ملت کو قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

قوموں کے عروج وزوال کے بارے میں اللہ کی سنت کو ہم اس وقت تک نہیں سمجھ سکتے جب تک ہم انسانوں کے بارے میں اللہ کی اسکیم کو نہ سمجھ لیں۔

قرآن حکیم سے انسانوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی جو اسکیم ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے:

- اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے اور وہی اس کا خالق و مالک اور رب ہے ۔(الحجرات:۱۳)
- انسان کی حیثیت اللہ کے مقابلے میں عبد (بندہ وغلام) کی ہے اور اسے یہی زیبا ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے مالک وآقا کی خوشنودی چاہے اور اس کی عبادت واطاعت کرے۔(البقرہ:۲۰۷،الذاریات:۵۶،الفتح:۲۹)
- اس زمین اور کائنات کی ہر چیز کا خالق اور مالک اللہ تعالیٰ ہے اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کی عبد ہے۔(حم السجدہ:۴،الرعد:۱۶،البقرہ:۱۱۶)
- زمین اور کائنات کی ہر چیز طبعا (Per Force) اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کررہی ہے،صرف انسان اور جن دومخلوقات ایسی ہیں جنہیں یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی آزادمرضی سے اللہ کی اطاعت کریں(آل عمران:۸۳،الرحمن:۳۳)

- انسان کو زمین اور کائنات میں تصرف کا اختیار دیا گیا ہے اور ہر چیز اس کی دسترس میں رکھی گئی ہے۔ (الحج: ۶۵، لقمان: ۳۰)
- انسان عبد ہونے کے باوجود خلیفۃ اللہ انہی معنوں میں ہے کہ اسے مذکورہ بالا دونوں طرح کے اختیارات حاصل ہیں: ایک تو یہ کہ وہ اپنی زندگی گزارنے میں خودمختار ہے، چاہے تو اپنی مرضی سے گزارے اور عبد ہونے کا انکار کردے اور چاہے تو اللہ کی مرضی کے مطابق گزارے۔ دوسرے یہ کہ وہ چاہے تو کائنات میں تصرف کرے اور چاہے تو نہ کرے، یا چاہے تو اپنی مرضی سے تصرف کرے اور اللہ کی الوہیت سے صرف نظر کرلے، یا چاہے تو یہ تصرف اللہ کی مرضی کے مطابق کرے۔ (الکہف: ۲۹، الدھر: ۳)
- اللہ نے انسان کے عبد ہونے کی حقیقت کا احساس اس کی فطرت میں رکھا ہے یعنی انسان اگر اپنی مرضی سے اللہ کی عبادت واطاعت کا رویہ اختیار نہیں کرتا تو گویا اپنی فطرت سے لڑتا ہے اور اس کا یہ رویہ کائنات کے ہر شئی کے رویے سے متصادم اور اس سے عدم آہنگ ہوتا ہے۔ (الاعراف: ۱۷۲)
- انسان اپنی مرضی سے پیدا ہوتا ہے اور نہ اپنی مرضی سے مرتا ہے بلکہ یہ دونوں کام اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں اور اس کا نظام یہ ہے کہ انسان کمزور پیدا ہوتا ہے، پھر بتدریج قوت پکڑتا ہے، پھر خود بخود اس کے قویٰ میں انحطاط آنا شروع ہوجاتا ہے اور بالآخر وہ مرجاتا ہے۔ (آل عمران: ۱۵۶، غافر: ۶۸)
- اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ بھی بتایا ہے کہ دنیا کی یہ مختصر زندگی اس کے لئے ایک امتحان گاہ ہے اور اس کا امتحان اس امر میں ہے کہ وہ اپنی آزاد مرضی سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا رویہ اختیار کرتا ہے یا نہیں، اس کو صحیح فیصلے تک پہنچنے میں مدد دینے کے لئے اللہ تعالیٰ انسانوں ہی میں بعض کو اپنے نمائندے کے طور پر مقرر کرتا ہے اور انہیں تفصیلی رہنمائی مہیا فرماتا ہے تاکہ وہ انسانوں کو اچھی طرح سے سمجھا سکیں

تا کہ انسان درست فیصلہ کر سکے۔(الملک:۲،النساء:۴۶،الکہف:۱۱۰)

- اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ دنیا کی اس عارضی زندگی کے بعد ایک اور زندگی آنے والی ہے جو ہمیشہ کی زندگی ہوگی، وہاں انسان کو دنیوی زندگی میں اختیار کردہ رویے اور اعمال کا حساب دینا ہوگا۔(الانبیاء:۱۰۶،القارعہ:۱۔۱۱)
- اور یہ بھی کہ انسان اگر یہ دنیوی زندگی اللہ کے احکام کی اطاعت کرتے ہوئے گزارے گا تو اخروی زندگی میں اسے اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی اور اسے ہر قسم کی اعلیٰ ترین نعمتوں سے نوازا جائے گا (المائدہ:۱۱۹،طہ:۷۵۔۷۶)اور اگر انسان یہ دنیوی زندگی اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے گزارے گا تو اسے اخروی زندگی میں اللہ کی ناراضی کا سامنا کرنا ہوگا اور وہ بدترین سزا کا مستحق ہوگا۔(الحج:۱۹،۲۲،المومن:۷۰۔۷۷)

انسانوں کے بارے میں اللہ کی اسکیم کے ان بنیادی نکات کی وضاحت کے بعد آیئے اب غور کرتے ہیں کہ انسانوں کے عروج وزوال کے بارے میں اس کی سنت کیا ہے؟ یہاں ہمیں فرد اور معاشرے میں فرق کرنا ہوگا کیونکہ دونوں کے بارے میں اللہ کی سنت الگ الگ ہے۔

فصل دوم

افراد کے عروج وزوال کے بارے میں اللہ کی سنت

- اللہ کے سامنے انسان کی ذمہ داری اور آزمائش اس کی انفرادی حیثیت سے ہے اور آخرت میں ہر انسان کو اپنے ذاتی اعمال کے بارے میں جواب دہی کرنا ہوگی نہ کہ دوسروں کے بارے میں۔ گویا یہ ذمہ داری انفرادی ہے اجتماعی نہیں اور فرد مسئول ہوگا نہ کہ قوم اور معاشرہ۔ (بنی اسرائیل: ۱۵، فاطر: ۱۸)
- فرد کی صلاحیتوں کا عروج وانحطاط اکتسابی نہیں طبعی ہے یعنی کسی انسان کے بس میں نہیں کہ وہ جوان نہ ہو یا پھر بوڑھا نہ ہو اور اسے موت نہ آئے بلکہ یہ سب کچھ قانون قدرت کے تحت طبعی طور پر اور خود بخود ہوتا رہتا ہے۔ (الرحمٰن :۲۶، المائدہ: ۱۱۰، النحل: ۷۰)
- اس عروج وانحطاط کا انسان کے اچھے یا برے ہونے سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر انسان اپنے رب کی اطاعت کی زندگی گزارے اور نیک و پرہیزگار ہو تو پھر بھی وہ جوان ہوگا، بوڑھا ہوگا اور بالآخر مر جائے گا اور اگر انسان اللہ کے احکام کا انکار کر دے یا ان کے مطابق زندگی نہ گزارے اور برا اور بدقماش ہو تو پھر بھی اس پر عروج وانحطاط اور زندگی وموت کے یہی ادوار گزریں گے کہ وہ جوان ہوگا، بوڑھا ہوگا اور پھر مر جائے گا۔
- دنیا میں اللہ تعالیٰ اسباب زندگی سب انسانوں کو فراہم کرتا ہے خواہ کوئی اس کے ساتھ اطاعت کا رویہ اختیار کرے یا بغاوت کا۔ یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ اگر آدمی

مسلمان اور نیک ہو تو اسے خوب اسباب زندگی ملیں گے اور اگر کوئی کوئی کافر وبدکار ہو تو اس پر اسباب زندگی کے دروازے بند ہو جائیں گے۔

- البتہ اس کا تعلق معاشرے سے ضرور ہے۔ ایک فرد اگر اللہ کی اطاعت کے راستے پر چل رہا ہو اور معاشرہ بھی اسی راہ پر گامزن ہو تو فرد کو معاشرے کی حمایت اور پشت پناہی حاصل ہو جائے گی اور دنیا میں بھی وہ ترقی وعروج اور اطمینان قلب کی دولت سے سرفراز ہو گا اور ان شاء اللہ آخرت میں بھی اسے کامیابی ملے گی۔ لیکن اگر فرد اللہ کی اطاعت کا دم بھرتا ہو اور معاشرہ اللہ سے نافرمانی کی راہ پر چل رہا ہو تو ظاہر ہے یہ فرد دنیا میں ترقی وعروج نہیں پاسکتا بلکہ اسے معاشرے کی مزاحمت کا سامنا کرنے پڑے گا اور اغلب یہ ہے کہ دکھ اور تکلیف کی زندگی بسر کرنا پڑے گی، گو اسے یہ اطمینان قلب حاصل ہو گا کہ وہ مقدور بھر اللہ کی اطاعت کر رہا ہے۔ (الرعد: ۲۸) اور آخرت کی کامیابی تو ان شاء اللہ اس کے لئے ہو گی ہی۔ (آل عمران: ۱۸۵، المائدہ: ۱۱۹)
- یہی صورت اس وقت ہو گی جب فرد نفاق کی زندگی بسر کر رہا ہو یعنی وہ دعویٰ تو اللہ کی اطاعت کا کرے لیکن عمل اس پر نہ کرے تو اس صورت میں اگر معاشرہ اسلام پر چل رہا ہو تو وہ فرد دنیا میں ترقی نہیں کر سکے گا کیونکہ معاشرہ اس کی مزاحمت کرے گا اور اللہ کی اطاعت نہ کرنے کی وجہ سے وہ اطمینان قلب سے محروم رہے گا اور آخرت میں بھی ناکام ہو گا۔ اور اگر معاشرہ بھی نفاق کی اسی روش پر چل رہا ہو تو فرد کو معاشرے کی حمایت حاصل ہو جائے گی اور وہ دنیا میں تو ترقی کر لے گا لیکن اطمینان قلب کی دولت سے محروم رہے گا اور آخرت میں اللہ کی خوشنودی بھی اس کے حصے میں نہیں آئے گی۔ (طٰہٰ: ۱۲۴، آل عمران: ۷۷)
- یہاں یہ یاد رہے کہ اسلام کے نزدیک کامیاب انسان وہ ہے جو آخرت میں کامیاب ہو خواہ دنیا میں اسے اسباب زندگی وافر نہ بھی ملیں اور یہاں وہ ترقی وعروج

نہ بھی پا سکے بلکہ خواہ اسے یہاں دکھ اور تکلیفیں ہی کیوں نہ برداشت کرنی پڑیں۔(الرعد :۲۴،الانعام: ۳۴،النحل :۹۶)اسی طرح اسلام کے نزدیک ناکام انسان وہ ہے جو آخرت میں ناکام ہو خواہ دنیا میں بظاہر وہ ترقی وعروج پر ہو اسے اسباب دنیا وافر ملیں اور وہ دنیا کی نعمتوں سے خوب بہرہ ور ہو۔(الکھف: ۲۸،،۲۹)اس اسلامی اصول کی وجہ نہایت معقول اور منطقی ہے اور وہ یہ کہ اسلام کے نزدیک یہ دنیا عمل کی جگہ ہے نتیجے کی نہیں۔لہذا عمل کی جگہ پر کامیابی یہ ہے کہ آدمی اللہ کے احکام کے مطابق عمل کرے اور ناکامی یہ ہے کہ آدمی اللہ کے احکام کے مطابق عمل نہ کرے۔رہے اسباب دنیا تو جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا وہ تو کافر اور مسلم سب کے لئے اللہ نے فراہم کئے ہیں کیونکہ اس کے بغیر دنیا کی زندگی کا امتحان گاہ ہونا بے معنیٰ ہو جاتا۔

- ایک فرد اگر اللہ کی اطاعت کے رستے پر چلے اور معاشرے کی مزاحمت کی وجہ سے وہ دنیا میں ترقی نہ کر سکے اور اسباب دنیا اسے وافر مہیا نہ ہو سکیں یا معاشرے کی طرف سے اسے دکھ اور تکلیفیں ملیں تو اس بنا پر ناکامی کے باوجود وہ ایک دولت سے ضرور بہرہ ور ہوتا ہے اور وہ ہے اطمینان قلب اور ذہنی سکون کی دولت ۔یہ اطمینان قلب اس شعور ویقین کا نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی بساط بھر اللہ کی اطاعت کی زندگی گزار رہا ہے اور یہ کہ آخرت میں ان شاء اللہ اسے ضرور اجر وخوشنودی سے نوازا جائے گا۔

- دنیا میں ترقی اور اسباب دنیا کی وافر فراہمی کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کے طے کردہ کچھ معروضی اصول ہیں۔اللہ کی اطاعت کرنے والا فرد (بشرطیکہ معاشرہ اس کا ہم خیال اور پشت پناہ ہو) جب اسلامی احکام پر عمل کرتا ہے تو ترقی کے ان معروضی اصولوں پر خود بخود عمل ہو جاتا ہے اور دنیا میں ترقی کرنے لگتا ہے ۔اسی طرح ایک کافر جو بنیادی طور پر اللہ کے احکام کی اطاعت نہیں کرتا وہ بھی

اگر ترقی کے ان معروضی اصول پر عمل کرے تو وہ دنیا میں ترقی کر سکتا ہے بشرطیکہ کہ معاشرہ اس کی مزاحمت نہ کرے۔

- قرآن وسنت پر تدبر کرنے سے پتا چلتا ہے کہ ایک فرد کے لئے دنیا میں ترقی وعروج کے اہم معروضی اصول بشرطیکہ معاشرہ اس کی مزاحمت نہ کرے، یہ ہیں:
کسی نظریۂ حیات سے محکم وابستگی • تعلیم وتربیت • محنت • تنظیم ومنصوبہ بندی • مستقل مزاجی۔

فصل سوم

قوموں اور تہذیبوں کے عروج وزوال کے بارے میں اللہ کی سنت

افراد کے عروج وترقی کے بارے میں اللہ کی سنت بیان کرنے کے بعد اب ہم قوموں اور تہذیبوں کے عروج وزوال کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سنت بیان کریں گے:

- افراد کی طرح اقوام کی زندگی، موت اور ضعف وعروج بھی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور وہی اپنی مشیت سے اس بارے میں جب چاہے اور جو چاہے فیصلے کرتا ہے۔ (الاعراف:۳۴، الحجر:۴، ۵، الاسراء:۵۸)
- تاہم افراد کی طرح اقوام کی زندگی اور موت طبعی نہیں بلکہ اکتسابی ہوتی ہے یعنی جس طرح فرد بچپن، جوانی اور بڑھاپے کے ادوار سے گزر کر لا زماً فنا کے گھاٹ اتر جاتا ہے اور ان مراحل میں سے کسی مرحلے پر رک جانا یا اس سے واپس آجانا اس کے لئے ممکن نہیں ہوتا، اقوام کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ اقوام زوال کے بعد دوبارہ عروج کی طرف بھی آسکتی ہے اور وہ اپنی بقاو استحکام کے زمانے کو طویل تر بھی بناسکتی ہے۔ (الانفال:۵۳، بنی اسرائیل:۴۔۸)

قوموں اور تہذیبوں کا عروج

- قرآن حکیم کے مطابق قوموں کی ترقی وعروج کے کچھ معروضی اصول ہوتے ہیں

(ان کا ذکر آگے آرہا ہے) جن کا اصل الاصول نظریۂ حیات سے وابستگی ہے
۔اگر کسی قوم کا نظریۂ حیات صحیح (یعنی اسلامی) ہو اور وہ عملاً اس نظریۂ حیات پر
عمل پیرا ہو تو وہ حتماً ترقی وعروج سے ہم کنار ہوگی کیونکہ اسلامی احکام پر عمل
کرتے ہوئے ان معروضی اصولوں پر خود بخود عمل ہو جاتا ہے۔

- کسی قوم کا نظریۂ حیات غلط ہو لیکن وہ اس سے محکم طور پر وابستہ ہو کر ترقی وعروج کے معروضی اصولوں پر عمل کر رہی ہو تو وہ بھی حتماً ترقی وعروج سے ہمکنار ہوگی۔

قوموں کے عروج وترقی کے معروضی اصول

ہر قوم کی قوت کا بنیادی منبع اس کی کسی نہ کسی نظریۂ حیات سے محکم وابستگی ہوتا ہے۔
اس وابستگی کی بنیاد پر وہ تین قسم کے وسائل کو ترقی دے کر عروج سے ہم کنار ہو سکتی ہے:

۱۔انسانی وسائل(Human Resources)

۲۔نموئی یا ترقیاتی وسائل(Developmental Resources)

۳۔مادی وسائل(Material Resources)

اب ہم ان وسائل کی کچھ وضاحت کرتے ہیں:

انسانی وسائل

جنہیں کسی حد تک اخلاقی وسائل بھی کہا جا سکتا ہے۔ان میں سے زیادہ اہم پانچ ہیں:

۱۔محنت: نظریۂ حیات پر پختہ یقین قوم کو قوت عمل مہیا کرتا ہے اور اس کے افراد کو محنت کا درس دیتا ہے۔

۲۔اتحاد: نظریۂ حیات سے وابستہ افراد متحد ہو جاتے ہیں اور فکر ونظر اور علم وعمل کا اتحاد قوم کے لئے ترقی وعروج کے دروازے کھولتا ہے۔

۳۔تنظیم ومنصوبہ بندی: نظریۂ حیات سے وابستگی افراد وقوم کو منظّم ہونے میں مدد دیتی ہے اور وہ ہر کام منصوبہ بندی سے کر کے بہترین نتائج حاصل کرنے کے قابل

ہو جاتے ہیں۔

۴۔ پابندیٔ قانون: اس نظریۂ حیات کے تحت زندگی گزارنے کے جو قواعد وضوابط بنائے جاتے ہیں، افرادِ قوم ان پر بخوشی پوری قوت سے عمل کرتے ہیں۔

۵۔ ایثار وقربانی: نظریۂ حیات سے وابستگی افرادِ قوم میں ایثار کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ ایثار کا مطلب ہے ذاتی مفاد کو اجتماعی مفاد پر قربان کر دینا، نیز یہ وابستگی انسان کو قربانی دینے پر آمادہ کرتی ہے اور افرادِ قوم اپنے ذاتی مفاد کو تج کر نظریے کی بالا دستی کے لئے ہر قسم کی جانی اور مالی قربانی دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

نموئی وسائل

یہ وہ وسائل ہیں جو بیک وقت انسانی وسائل کو بھی ترقی دیتے ہیں اور مادی وسائل کو بھی۔ زیادہ اہم نموئی وسائل چار ہیں:

۱۔ تعلیم وتربیت: تعلیم سے مراد یہ ہے کہ فرد کو اس نظریۂ حیات اور اس کے تقاضوں کی اچھی معرفت حاصل ہو جائے جس پر وہ ایمان رکھتا ہے اور تربیت سے مراد یہ ہے کہ افرادِ قوم کی صلاحیتوں کی نمو اس نظریے کی مطابق ہو تا کہ اس کے تقاضوں پر عمل فرد کے لئے آسان اور مرغوب ہو جائے۔

۲۔ تحقیق: تحقیق سے مراد یہ ہے کہ افرادِ قوم اپنی زندگی گزارتے ہوئے خصوصاً انسانی، نموئی اور مادی وسائل کی ترقی کے وقت روایتی اور تقلیدی ذہن سے کام نہ کریں بلکہ ان کی اپروچ تخلیقی و تحقیقی ہو تا کہ وہ اس سے بہتر نتائج حاصل کر سکیں اور کمال (Excellence) کا حصول ان کا طرۂ امتیاز بن جائے۔

۳۔ سیاسی استحکام: جب تک معاشرہ منظم نہ ہو اور اس کی قیادت کا نظام کار محکم نہ ہو کسی قوم کی ترقی کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اس کے بغیر نہ انسانی وسائل کو ترقی دی جا سکتی ہے اور نہ مادی وسائل کے حصول کا خواب دیکھا جا سکتا ہے۔

۴۔ابلاغ: اس سے مراد یہ ہے کہ قوم کو اپنا نظریۂ حیات اپنے افراد اور دوسری اقوام تک پہنچانے کا ہنر بخوبی آتا ہو کیونکہ جو قوم اس خوبی سے محروم ہو وہ نہ تو اپنے افراد کو اس نظریہ پر مطمئن رکھ سکتی ہے اور نہ دوسروں کو اس کی افادیت اور عظمت کا قائل سکتی ہے۔

مادی وسائل

یعنی وہ وسائل جو تسخیر کائنات کا براہ راست سبب بنتے ہیں۔ان میں سے زیادہ اہم تین ہیں:

۱۔سائنس وٹیکنالوجی: اس سے مراد یہ ہے کہ تعلیم اور تحقیق کا رخ تسخیر کائنات کی طرف موڑ دیا جائے تاکہ نت نئی ایجادات کی جاسکیں اور تسخیر کائنات کا موثر اور فعال نظام وجود میں آجائے۔

۲۔معاشی صلاحیت: معاشی صلاحیت کی افزائش کا بنیادی ذریعہ انسانی اور نموئی وسائل ہیں۔اسی طرح سائنس وٹیکنالوجی بھی اس میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔معاشی وسائل کو ترقی دئے بغیر دنیوی ترقی کا خواب دیکھنا ممکن ہی نہیں۔اور یہ بھی ذہن میں رہے کہ معاشی ترقی ہی نموئی وسائل کی افزائش کا سبب بھی بنتی ہے۔

۳۔حربی قوت: قوموں کی طاقت کا ایک بڑا ذریعہ ان کی حربی صلاحیت ہوتی ہے۔اگرچہ انسانی اور نموئی وسائل کا کردار بھی اہم ہے لیکن حربی قوت کے بغیر کوئی قوم نہ تو اپنا وجود برقرار رکھ سکتی ہے اور نہ اس کے بغیر اپنے نظریۂ حیات کی حفاظت اور دوسروں تک اس کے موثر ابلاغ کا سوچ سکتی ہے۔

قوموں اور تہذیبوں کا زوال

قوموں کے عروج کی طرح ان کے زوال کے بھی معروضی اسباب یا امراض ہوتے ہیں اور جو قوم بھی ان امراض میں مبتلا ہو جائے وہ حتماً زوال پذیر ہو جاتی ہے۔یہ اسباب زوال مندرجہ ذیل ہیں:

- کسی قوم کے اصول حیات اگر صحیح ہوں اور وہ اللہ کی اطاعت کا دم بھرتی ہو لیکن عملاً اطاعت نہ کرتی ہو تو وہ حتماً زوال سے دوچار ہوگی کیونکہ اس صورت میں وہ زوال کے معروضی امراض میں بھی لازماً گرفتار ہو جائے گی۔
- کسی قوم کے اصول حیات اگر صحیح ہوں لیکن وہ ان پر عمل پیرا نہ ہو اور دنیا میں ترقی کے لئے وہ اس قوم اور تہذیب کی تقلید کرے جس کے اصول حیات غلط ہوں تو اس کا حتمی نتیجہ بھی زوال ہوگا کیونکہ اس صورت میں بھی وہ قوم عروج و ترقی کے معروضی اصولوں پر عمل پیرا نہ ہو سکے گی۔
- اگر کسی قوم کا نظریۂ حیات غلط ہو تو خواہ وہ زوال کے معروضی امراض میں مبتلا نہ ہو لیکن نظریۂ حیات کی خرابی کی وجہ سے فساد فی الارض میں مبتلا ہو کر رہتی ہے اور اس کا زوال بھی حتمی اور یقینی ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا اصولوں سے ظاہر ہے کہ قوموں کے زوال کے معروضی اسباب اور امراض دو طرح کے ہوتے ہیں یا یوں کہئے کہ ان اسباب و امراض کو ہم سہولت بیان کی خاطر دو گروپوں میں تقسیم کر سکتے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

صحیح نظریۂ حیات سے عدم وابستگی

اس مرض میں مبتلا ہونے سے قوم ان وسائل سے محروم ہو جاتی ہے جو ترقی وعروج کا سبب بنتے ہیں اور صحیح نظریۂ حیات سے عدم وابستگی اور ان خصائل حمیدہ سے محرومی خود بخود ان امراض کو جنم دیتی ہے جو زوال کا سبب بنتے ہیں۔ زوال کے یہ معروضی اصول عروج کے معروضی اصولوں کے بالکل الٹ ہیں، لہٰذا ہم ان کا ذکر اسی ترتیب سے کریں گے جس کے مطابق ہم نے عروج کے معروضی اصولوں کا ذکر کیا تھا:

زوال کے معروضی اسباب تین طرح کے ہیں؛

۱۔ انسانی وسائل سے متعلق اسباب

۲۔ نموئی وسائل سے متعلق اسباب

۳۔ مادی وسائل سے متعلق اسباب

انسانی وسائل سے متعلق اسباب

یہ اسباب پانچ ہیں:

۱۔ **کاہلی اور کام چوری:** جب کوئی قوم اس صحیح نظریۂ حیات سے اپنی وابستگی کھو دے جس پر وہ ایمان رکھتی ہے تو اس کی قوت عمل شل ہو جاتی ہے۔

۲۔ **بے اتفاقی:** جس طرح نظریۂ حیات سے وابستگی انسانوں کے اندر اتحاد پیدا کرتی ہے اسی طرح نظریۂ حیات سے عدم وابستگی ان کے اندر انتشار اور تشتت کا موجب بنتی ہے۔ نظریے سے وابستگی ان کو ایک ملت اور ایک قوم بناتی ہے اور جب یہ وابستگی کمزور پڑ جاتی ہے تو ہر فرد اور گروہ من مانی کرنے لگتا ہے اور اپنے نظریے کو چھوڑ کر دوسرے نظریات اور مفادات سے وابستہ ہونے لگتا ہے۔

۳۔ **تنظیم و منصوبہ بندی کا فقدان:** نظریۂ حیات سے عدم وابستگی انسان کے اندر نظم و ضبط کے صفت کو کمزور کر دیتی ہے اور اول تو کاہلی اور کام چوری کی عادت اسے کچھ کرنے ہی نہیں دیتی اور اگر وہ کچھ کرے بھی تو اس انداز میں کرتا ہے جیسے مارے پیٹے۔

۴۔ **قانون پر عمل نہ کرنا:** جب افراد قوم کی نظریۂ حیات سے وابستگی کمزور پڑ جائے اور اس کے مقتضیات پر عمل کا جذبہ توانا نہ رہے تو اس نظریۂ حیات پر مبنی جو قوانین اور تفصیلی قواعد و ضوابط انسانی زندگی کی تنظیم کے لئے وضع کئے جاتے ہیں ان پر عمل اس قوم کے افراد کے لئے بہت دوبھر ہو جاتا ہے چنانچہ وہ ہر طرح سے قانون کی پابندی سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ چیز مزید خرابیوں کو جنم دیتی ہے۔

۵۔ **خود غرضی و بزدلی:** جو قوم اپنے نظریۂ حیات سے وابستہ نہ رہے اس کے افراد میں خود غرضی پیدا ہو جاتی ہے۔ ہر فرد اپنا ذاتی مفاد پیش نظر رکھتا ہے اور اجتماعی مفاد کی خاطر قربانی دینے سے کتراتا ہے۔ اس طرح یہ قوم بزدل ہو جاتی ہے اور اس کے اندر

سے شجاعت اور تہوّر ختم ہو جاتا ہے۔

نموئی وسائل سے متعلق اسباب

۱۔ **تعلیم وتربیت سے اغماض:** جو قوم اپنے نظریۂ حیات سے وابستگی کھو دیتی ہے اسے اس نظریے کی معرفت، اسے خود سمجھنے، دوسروں کو سمجھانے، اس کی تفصیلات جاننے اور اس کی حکمتوں پر غور کرنے سے دلچسپی نہیں رہتی بلکہ وہ اپنی جہالت میں مگن ہو جاتی ہے۔ اسے اس چیز سے بھی دلچسپی نہیں رہتی کہ دوران تعلیم (یا اس کے بعد) افراد کی فکری وعملی تربیت اس طرح کی جائے کہ اس نظریے کے مطابق زندگی بسر کرنا اس کے لئے سہل ومرغوب ہو جائے۔

۲۔ **تحقیق سے صرف نظر:** اصول حیات سے عدم وابستگی افراد قوم کو لایعنی تصورات اور توہمات کی دلدل میں پھنسا دیتی ہے۔ وہ غور وفکر کی صلاحیت سے عاری ہو جاتے ہیں اپنے آباء کی اندھی تقلید انہیں خوشگوار لگتی ہے اور تخلیق و اجتہاد سے ان کو موانست نہیں رہتی۔

۳۔ **سیاسی عدم استحکام:** اصول حیات پر جب قوم کا یقین پختہ نہ رہے تو وہ منظم گروہ کے بجائے ایک انبوہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور کوئی مستحکم ہیئت اختیار کرنا اس کے لئے ممکن نہیں رہتا۔ ظاہر ہے ہر قسم کی ترقی کی بنیاد سیاسی استحکام ہے اور سیاسی استحکام کے لئے ضروری ہے کہ افراد قوم کو تنظیم کا احساس ہو، انہیں اجتماعی اداروں کو منظم کرنے اور چلانے کا سلیقہ آتا ہو، وہ قیادت فراہم کر سکیں اور کسی قائد کے پیچھے چلنا اور اس کی اطاعت کرنا انہیں آ جائے لیکن نظریۂ حیات سے عدم وابستگی ان خصائل کو پیدا ہی نہیں ہونے دیتی، نتیجتاً سیاسی عدم استحکام پیدا ہو جاتا ہے جو زوال کا سبب بنتا ہے۔

کمزور ابلاغ: جو قوم اپنے نظریۂ حیات کو بھلائے بیٹھی ہو، اسے یہ احساس بھی نہیں رہتا کہ اسے اس نظریے کا ابلاغ اپنی صفوں کے اندر بھی کرنا ہے تاکہ وہ قلوب و اذہان میں راسخ ہو جائے اور اسے دوسروں تک بھی پہنچانا ہے تاکہ وہ ان کے دل ودماغ

کو بھی مسخر کر سکے بلکہ اپنے نظریۂ حیات سے وابستگی کھودینے والی قوم تو دوسری قوموں کی قوت ابلاغ کی نخچیر ہو جاتی ہے اور وہ دشمنوں کی ثقافت اور فنون لطیفہ کی اسیر ہو کر اپنی خودی کھودیتی ہے لہذا اس کا زوال پذیر ہونا قطعی ہو جاتا ہے۔

مادی وسائل سے متعلق اسباب

۱۔ **سائنس و ٹیکنالوجی میں تخلف:** سائنس و ٹیکنالوجی کی بنیادی تعلیم و تحقیق اور اس کا ہدف تسخیر کائنات ہوتا ہے تاکہ نت نئی ایجادات وانکشافات سے قوم کی معاشی حالت مضبوط ہو جائے اور اسے حربی برتری مل جائے لیکن جو قوم اپنے نصب العین سے غافل ہو جائے وہ تعلیم و تحقیق میں بھی پیچھے رہ جاتی ہے اور جہاں تعلیم ہو اور نہ تحقیق وہاں سائنس و ٹیکنالوجی میں ترقی کیسے ہو سکتی ہے؟ اور جب سائنس و ٹیکنالوجی میں ترقی نہ ہو گی تو قوم معاشی اور حربی قوت میں پیچھے رہ جائے گی، وہ مخالفوں سے دب کر رہنے اور ان کی سیادت و قیادت تسلیم کرنے پر مجبور ہو گی اور زوال اسی کو کہتے ہیں۔

۲۔ **معاشی کمزوری:** معاشی کمزوری نتیجہ ہوتی ہے انسانی اور نموئی وسائل کی کمزوری کا اور جب کوئی قوم اپنے نظریۂ حیات سے وابستہ نہ رہے تو افراد قوم محنت سے جی چرانے لگتے ہیں، منصوبہ بندی سے عاری ہو جاتے ہیں، تعلیم و تحقیق میں پیچھے رہ جاتے ہیں، کرپشن کا شکار ہو جاتے ہیں اور جس قوم کے افراد میں یہ بیماریاں پیدا ہو جائیں وہ معاشی لحاظ سے کیسے پھل پھول سکتی ہے؟ وہ تو اتنے معاشی وسائل بھی پیدا نہیں کر سکتی کہ خود کفیل ہو سکے لہذا وہ قرضوں کی زنجیروں میں جکڑی جاتی ہے اور معاشی لحاظ سے پسماندہ اور مفلس و قلاش رہتی ہے۔

۳۔ **حربی کمزوری:** حربی کمزوری نتیجہ ہوتی ہے سیاسی اور معاشی استحکام کا اور تعلیم و تحقیق کا اور جب کوئی قوم سیاسی لحاظ سے عدم استحکام کا شکار ہوتی ہو تو وہ ایسی قیادت سے محروم ہو جاتی ہے جو اس کی ترقی و سربلندی کا سوچ سکے، جب قوم کی معاشی حالت مضبوط نہ ہو تو حربی آلات بنانے کے لئے کثیر اخراجات کہاں سے آئیں گے؟ جو

قوم حربی لحاظ سے کمزور ہو وہ تو اپنا دفاع بھی نہیں کر سکتی اور اپنا وجود بھی برقرار نہیں رکھ سکتی چہ جائیکہ وہ ترقی اور عروج اور غلبے کا خواب دیکھے۔

غلط نظریۂ حیات کی وجہ سے فساد فی الارض میں مبتلا ہونا

کسی قوم کے زوال کا دوسرا بڑا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ فساد فی الارض میں مبتلا ہو جائے، فساد فی الارض میں عام طور پر وہ قومیں مبتلا ہوتی ہیں جو ترقی اور عروج کے معروضی اصولوں پر عمل کرتی ہیں اور اس کے نتیجے میں غالب اور مقتدر ہو جاتی ہیں لیکن ان کے اصول حیات چونکہ غلط ہوتے ہیں اس لئے ان کی قوت تخریبی راہوں پر چل نکلتی ہیں اور وہ فساد فی الارض میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ زمین میں فساد فی الارض کے مظاہر مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ **قتل ناحق**: فساد فی الارض کی سب سے واضح شکل قتل ناحق ہے۔

۲۔ **ظلم وستم**: فساد فی الارض کی ایک اور صورت ظلم وستم کی ہے، جو قوم اپنے مخالفین یا زیردستوں پر ظلم وستم ڈھائے وہ ضرور اپنے برے انجام کو پہنچ کر رہتی ہے۔

۳۔ **استحصال**: مخالف قوموں یا زیردستوں کا استحصال بھی ظلم وستم اور فساد فی الارض کی ایک شکل ہے۔ کسی کے وسائل حیات پر زبردستی قبضہ کر لینا، جبراً اس سے چھین لینا یا اسے دباؤ میں رکھ کر کم قیمت پر خرید لینا وغیرہ استحصال کی مختلف صورتیں ہیں۔

۴۔ **نفع بخشی کا خاتمہ**: زمین میں قرار وہی چیز پکڑتی ہے جو لوگوں کیلئے مفید، تعمیری اور نفع بخش ہو۔

جو قوم ایسے اعمال میں مصروف ہو جائے جو انسانوں کے لئے مضر ہوں وہ فساد فی الارض کے جرم کی مرتکب ہوتی اور جلد یا بدیر مکافات عمل کا شکا ہو جاتی ہے۔

۵۔ **انسانی رشتوں کی پامالی**: احترام واکرام انسانیت زمین پر انسانی بقاء کی لازمی شرط ہے۔ جس قوم میں چھوٹے بڑوں کی عزت نہ کریں اور بڑے چھوٹوں سے شفقت کا برتاؤ نہ کریں اس قوم کا جلد یا بدیر مٹ جانا لازمی ہے کیونکہ انسانی رشتوں کے

احترام کے بغیر انسانیت کیسے باقی رہ سکتی ہے؟

۶۔ **جنسی انارکی:** اللہ تعالیٰ نے زمین میں نسل انسانی کی بقاء کے لئے افزائش نسل کا جو پروگرام رکھا ہے اس کی مخالفت فساد فی الارض کو جنم دیتی ہے۔ مذہب اور معاشرے کی اجازت سے عورت کا ایک مرد سے جنسی تعلق نسل کے تحفظ اور اولاد کی پرورش وتربیت کا بنیادی ستون ہے۔ اس کے برعکس عورت اور مرد کو جنسی تعلق کی کھلی چھوٹ دے دینا اور عورت کو جنس بازار بنا دینا فساد فی الارض کی بدترین صورت ہے۔

۷۔ **اصلاحی قوتوں کی ناکامی:** ہر انسانی معاشرہ اپنے اندر اصلاح کا ایک نظام رکھتا ہے۔ جب تک یہ اصلاحی قوتیں موثر اور فعال رہتی ہیں معاشرہ اپنی کمزوریوں کا تجزیہ کرنے اور اصلاح کرنے کے قابل رہتا ہے جو اس کی بقاء کا سبب بنتا ہے، لیکن جب اصلاحی قوتیں کمزور ہو جائیں اور قوم خود تنقیدی اور خود احتسابی کے عمل سے غافل ہو جائے تو اس کا مٹنا یقینی ہو جاتا ہے۔

مذکورہ بالا ساری صورتیں فساد فی الارض کی ہیں اور جو قوم فساد فی الارض کی مرتکب ہوتی ہے وہ جلد یا بدیر جینے کا استحقاق کھو دیتی ہے اور زوال پذیر ہو کر مٹ جاتی ہے۔ اگر بگاڑ شدید ہو، اصلاحی قوتیں ناکام ہو جائیں اور نفع بخشی کی صلاحیت کلیۃً ختم ہو جائے تو ایسی قوم اور تہذیب پر زوال بڑی سرعت سے آتا ہے اور اگر بگاڑ کے ساتھ نفع بخشی کی صلاحیت ختم نہ ہو اور اصلاح کا عمل بھی جاری ہو تو اس قوم کو مہلت عمل ملتی رہتی ہے یہاں تک کہ اس پر بگاڑ غالب ہو جاتا ہے اور مشیت اسے مٹانے کا فیصلہ کر لیتی ہے۔

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

باب دوم

مسلمانوں کا عروج، زوال اور نشأۃ ثانیہ کے امکانات

تمہید

مسلمانوں کا عروج، زوال اور نشأۃ ثانیہ کے امکانات

پچھلے باب میں ہم نے قوموں کے عروج وزوال کے بارے میں اللہ کی سنت کا ذکر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ قوموں کے عروج وترقی کے کچھ فطری اور معروضی اصول ہوتے ہیں۔ جو قوم بھی ان پر عمل کرے گی وہ دنیا میں قوت حاصل کر لے گی، ترقی کرے گی اور بام عروج پر پہنچ جائے گی۔ اگر کسی قوم کا نظریۂ حیات صالح (اطاعت رب پر مبنی) ہوگا تو وہ قوم اس وقت تک قوی وغالب رہے گی جب تک وہ اپنے نظریۂ حیات پر ثابت قدمی سے عمل کرتی رہے گی کیونکہ اس صالح نظریۂ حیات پر عمل کرنے سے عروج کے فطری اور معروضی اصولوں پر خود بخود عمل ہو جائے گا اور وہ زوال پذیر اس وقت ہوگی جب اپنے نظریۂ حیات سے دست بردار ہو جائے یا اس نظریۂ حیات سے زبانی وابستگی کا دعویٰ تو کرے لیکن اس کی تعلیمات پر عمل نہ کرے۔ تاہم اس کا نظریۂ حیات چونکہ صحیح ہوتا ہے، اس لئے جب بھی وہ اس کی طرف مراجعت کرے گی اور اس سے حقیقی وابستگی اختیار کر لے گی، وہ دوبارہ ترقی وعروج سے ہمکنار ہو جائے گی۔

اسی طرح اگر کسی قوم کا نظریۂ حیات صالح نہ ہو لیکن وہ عروج وترقی کے مذکورہ معروضی وفطری اصولوں پر عمل کرے گی تو وہ دنیا میں عروج وترقی سے ہمکنار ہوگی لیکن نظریۂ حیات کے غیر صالح ہونے کی بنا پر جلد ہی فساد فی الارض میں مبتلا ہو جائے گی اور اپنی بقاء اور استحکام کی بنیادوں سے محروم ہو کر فنا ہو جائے گی اور دوبارہ حیات نو کی طرف نہ لوٹ سکے گی کیونکہ اس کی بنیاد ہی غیر صالح نظریۂ حیات پر تھی۔

اب پیشتر اس کے کہ ہم یہ دیکھیں کہ دنیا میں عروج وزوال کے ان فطری ومعروضی اصولوں کا انطباق امت مسلمہ پر کس طرح ہوتا ہے ہمیں ایک بہت بنیادی اور انتہائی اہم بات کہنا ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلام محض دنیوی ترقی کے لئے نہیں آیا۔ اس میں

کوئی شک نہیں کہ اسلام مسلم امت کو دنیا میں حتمی طور پر ترقی و عروج کی ضمانت دیتا ہے اور علی الاعلان کہتا ہے کہ **وانتم الاعلون ان کنتم مومنین** (آل عمران: ۱۴۳)
یعنی تمہی غالب رہو گے بشرطیکہ تم (سچ مچ) مومن بن جاؤ۔ یعنی صرف ایک شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلام پر عمل کرو، لیکن اس کے باوجود اسلام کا بنیادی ترین اصول یہ ہے کہ وہ محض دنیوی ترقی و عروج کے لئے نہیں آیا بلکہ دراصل وہ اخروی ترقی کے لئے آیا ہے، لیکن اگر ہم یہ ذہن میں رکھیں کہ سارا قرآن اس بات سے بھرا پڑا ہے کہ آخرت دنیا سے بہتر ہے اور یہ کہ آخرت کے لئے دنیا کی قربانی دی جا سکتی ہے، لیکن دنیا کے لئے آخرت کی قربانی نہیں دی جا سکتی تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام میں آخرت کو دنیا پر حتمی ترجیح حاصل ہے، لہذا یہ کہنا زیادہ موزوں ہے کہ اسلام اصلاً آخرت کی کامیابی کے لئے آیا ہے، لیکن اگر ہم اس کی تعلیمات پر عمل کریں تو دنیا میں بھی کامیابی حاصل ہو جاتی ہے۔

پھر یہ بھی ذہن میں رہے کہ دنیا میں ترقی کا حتمی وعدہ مسلم امت سے ہے نہ کہ ہر مسلم فرد سے۔ یعنی مسلمان دنیا میں ضرور ترقی و عروج حاصل کریں گے بشرطیکہ مسلمانوں کی اکثریت اسلام کے رستے پر عملاً چلے اور وہ بحیثیت مجموعی اسلامی اصولوں پر کاربند ہوں۔ اگر مسلمان بحیثیت مجموعی اسلام پر عمل نہ کریں (محض دعویٰ ایمان کریں) اور حقیقی معنوں میں تھوڑے سے مسلمان ہی اسلامی تعلیمات پر عمل کریں تو بے عمل مسلمانوں کی یہ اکثریت آخرت میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی سے محروم رہے گی اور دنیا میں نکبت و رسوائی اس کا مقدر بنے گی اور جو تھوڑے بہت مسلمان حقیقتاً اسلامی اصولوں پر عمل کریں گے یقیناً انہیں بھی دنیا میں تکلیفوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا گو وہ آخرت میں ان شاء اللہ کامیاب ہوں گے۔

تو خلاصہ یہ ہے کہ اگر مسلمان بحیثیت مجموعی اسلامی تعلیمات پر عمل کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں حتماً کامیابی و ترقی کی بشارت دیتا ہے، لیکن اس کے باوجود ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ اسلام محض مسلمانوں کی دنیوی ترقی کا خواہاں نہیں بلکہ اس کے نزدیک اصل کامیابی تو آخرت ہی کی کامیابی ہے اور جو وہاں کامیاب ہوگا وہی درحقیقت کامیاب ہے خواہ وہ بحیثیت فرد (معاشرے کی اکثریت کے اسلامی تعلیمات پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے) دنیا میں ناکام ہی کیوں نہ ہوا ہو۔

فصل اول

مسلمانوں کے عروج کے اسباب

۶۱۱ء کے ایک روشن دن جب فرشتے نے حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل کی تو اس وقت آپؐ اسلام کے واحد علمبردار تھے۔ گھر جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اہلیہ (حضرت خدیجہؓ) سے ذکر کیا تو وہ اسلام لے آئیں، قریبی دوست (ابوبکرؓ) نے سنا تو اس نے بھی اسلام قبول کرلیا اور چچا زاد بھائی (علیؓ) کو جو اُن کے ساتھ رہتا تھا، پتہ چلا تو اس نے بھی ساتھ دیا۔ اس طرح یہ قافلہ ایک سے دو، دو سے تین اور تین سے چار افراد پر مشتمل ہوگیا۔ پھر یہ تعداد آہستہ آہستہ بڑھتی رہی لیکن برسوں ضعف اور کسمپرسی کی کیفیت رہی۔ شعب ابی طالب میں بھوکے رہنا پڑا، طائف میں پتھر کھانے پڑے اور واپسی پر یہ کیفیت تھی کہ آنحضرتؐ کو شہر میں داخلے کا یارا نہ تھا، جان بچانے کے لئے کچھ لوگ ملک چھوڑ کے حبشہ چلے گئے حتیٰ کے پیغمبر کو بھی اپنا شہر چھوڑ کر دوسری جگہ پناہ لینی پڑی اور وہاں بھی یہ عالم تھا کہ ہفتوں پیغمبر کے گھر چولہا نہ جلتا تھا اور جب دشمن نے حملہ کر دیا تو دفاع کے لئے تین سو تیرہ سے زیادہ آدمی میسر نہ آئے اور اس میں بھی اسباب کا یہ عالم تھا کہ دو سے تیسرا گھوڑا میسر نہ تھا، لیکن جب پیغمبرؐ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو مدینے کی سلطنت جزیرہ نما عرب کے بڑے حصے تک پھیل چکی تھی۔ اور پھر اسی نسل نے دیکھا کہ کسریٰ کا تاج ایک بدو سراقہ بن مالکؓ نے پہنا اور مدینے کی مسجد مال غنیمت سے بھر گئی اور پھر وہ دن بھی جلد ہی آگئے جب زکوٰۃ دینے کے لئے مساکین ڈھونڈنا پڑتے تھے اور حد نظر تک زمین کو مجاہدوں کے گھوڑوں نے روند ڈالا تھا

اور ہمارے شاعر کو کہنا پڑا کہ ؎

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

چنانچہ معلوم دنیا کے ایک بڑے حصے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور سطوت ان کے گھر کی لونڈی بن گی۔ یہ کوئی افسانہ نہیں، تاریخ نے ایک ہزار سال تک مسلمانوں کی تمکنت اور عظمت کا بچشم سر مشاہدہ کیا ہے اور اس کے آثار آج بھی موجود ہیں ۔مسلمانوں کو یہ عروج کیوں کر ملا؟ اس کی کئی توجیہیں کی جاسکتی ہیں اور کئی رنگ سے اس مضمون کو باندھا جاسکتا ہے لیکن ہم یہیں کہیں گے کہ جب مسلمان دل وجان سے اپنے نظریۂ حیات سے وابستہ ہو گئے اور انہوں نے قولاً وعملاً اس کو اپنا لیا تو اللہ کی اطاعت کے نتیجے میں، آخرت تو انشاء اللہ ان کے لئے ہی ہے، دنیا میں بھی ان کو عزت و سربلندی ملی کیوں کہ اسلامی اصولوں پر عمل کرنے سے ان فطری اور معروضی اصولوں پر خود بخود عمل ہو جاتا ہے جن پر عمل کسی بھی قوم کو ترقی وعروج سے ہمکنار کر سکتا ہے۔

نظریۂ حیات سے وابستگی

کسی بھی قوم کی ترقی کی بنیاد اس بات پر ہوتی ہے کہ وہ کسی نظریۂ حیات پر پختہ یقین اور اس سے محکم وابستگی رکھتی ہو اس بات کو ہلکا نہ سمجھا جائے کیونکہ اسی سے نہ صرف فرد کی تکوین ہوتی ہے اور قوم اور ملت وجود میں آتی ہے بلکہ فرد ہو یا قوم اس کے اعمال و کردار اور اس کی کامیابی و ناکامی کا انحصار بھی اسی پر ہوتا ہے، اس بات کو سمجھنے کی لئے یہ ذہن میں رکھئے کہ انسانی شخصیت اور سیرت کی بنیاد ان تصورات پر قائم ہوتی ہے جو ذہن میں پوری قوت کے ساتھ راسخ ہو جائیں اور اتنا غلبہ حاصل کرلیں کہ انسان کی ساری عملی قوتیں انہی کے زیر اثر رہ کر کام کرنے لگیں، گویا انسانی سیرت کا منظم اور منضبط ہونا اس بات پر منحصر ہے کہ کچھ خیالات پر پختہ یقین کے نتیجے میں اس کی ایک مستقل اور متعین

سیرت بن جائے، کسی مستقل سیرت کے بغیر انسان کی عملی زندگی پراگندہ متلون اور ناقبل وثوق رہتی ہے۔

اسلامی اصطلاح میں زندگی گزارنے کے اصولوں (یعنی نظریۂ حیات یا اصول حیات) کو عقیدہ کہتے ہیں اور ان اصولوں کو تسلیم کرنے کو ایمان لانے سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ بات بدیہی ہے کہ کوئی شخص جب تک ایمان نہ لائے وہ مسلمان نہیں ہوسکتا بلکہ لغت اور اصطلاح میں مسلمان کہتے ہی اس شخص کو ہیں جو اسلام قبول کرلے اور اسلامی اصولوں پر ایمان لے آئے۔ چنانچہ ہر پیغمبرؑ اپنے مخاطبین سے پہلا تقاضا یہی کرتا ہے کہ وہ ایمان لائیں:

> ''اور تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ رسول تمہیں بلا رہا ہے کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ'' (الحدید: ۸)

> ''اے لوگو! ایمان لاؤ اللہ پر اس کے رسول پر اور اس نور (کتاب) پر جو ہم نے نازل کیا ہے''۔ (التغابن: ۸)

یہ مضمون قرآن حکیم میں کثرت سے آیا ہے مثلاً دیکھئے البقرہ: ۴۱، آل عمران: ۱۷۹، النساء: ۱۷۰، المائدہ: ۱۱۱، الاعراف: ۱۵۸ اور الحدید: ۷ وغیرہ۔

پھر قرآن کہتا ہے کہ ایمان ہی وہ مضبوط بنیاد مہیا کرتا ہے اور وہی الحبل المتین اور العروۃ الوثقی ہے جس کے سہارے آدمی صحیح زندگی بسر کرسکتا ہے اور ایمان ہی وہ نور ہے جس کی روشنی میں آدمی راہ راست پر چل سکتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> ''پس جو طاغوت کو چھوڑ کر اللہ پر ایمان لے آیا اس نے ایک مضبوط رسی تھام لی جو ٹوٹنے والی نہیں ہے۔ اور اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اللہ ان لوگوں کا مددگار ہے جو ایمان لائے۔ وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی میں نکال لاتا ہے اور جو کافر ہیں ان کے مددگار شیطان ہیں۔ وہ ان کو

نور سے تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں، وہ دوزخی ہیں اور دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے"۔ (البقرہ:۲۵۶۔۲۵۷)

پھر قرآن کہتا ہے کہ ایمان اور عمل صالح کا لازمی نتیجہ اللہ کی نصرت اور دنیاوی خوشحالی ہے چنانچہ فرمایا:

"اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے مگر انہوں نے جھٹلایا لہذا ہم نے اس بری کمائی کے حساب میں ان کو پکڑ لیا جو وہ سمیٹ رہے تھے"۔ (الاعراف:۹۶)

یہی بات سورہ ہود:۳،۵۲ میں بھی وضاحت سے کہی گئی ہے۔

اس کے بعد قرآن کہتا ہے کہ آدمی ایمان لائے بغیر جو اعمال بجا لائے وہ بے وزن اور نا قابل قبول ہیں اور ان کا نتیجہ بہر حال خسران اور ناکامی ہے:

"ان سے کہو کہ کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اپنے اعمال کے لحاظ سے کون لوگ سب سے زیادہ نامراد ہیں؟ وہ جن کی کوششیں دنیوی زندگی میں بے کار صرف ہوگئیں اور وہ سمجھتے رہے کہ ہم بہت اچھے کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیات کا انکار کیا اور یہ تسلیم نہ کیا کہ انہیں اس کے پاس حاضر ہونا ہے۔ اس وجہ سے ان کے اعمال اکارت گئے۔ قیامت کے دن ہم ان کے اعمال کو کوئی وزن نہ دیں گے اور وہ دوزخ میں جائیں گے۔ یہ بدلہ ہے اس کا کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیات اور میرے رسولوں کا مضحکہ اڑایا"۔ (الکھف:۱۰۳۔۱۰۶)

ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام میں بھی بنیادی اہمیت ایمان ہی کو حاصل ہے (یعنی اس بات کو کہ مسلمان کچھ بنیادی تصورات کو مانیں اور ان پر عمل کرتے ہوئے زندگی گزاریں) یہی ایمان ان میں انفرادی سطح پر تعمیر سیرت کی بنیاد ہے اور یہی ان کے

درمیان اجتماعی سطح پر اخوت کی اساس ہے اور اسی پر دنیا و آخرت میں ان کی کامیابی اور ناکامی کا دارومدار ہے، اور یہی ہمارا مقدمہ ہے جو ہم ثابت کرنا چاہ رہے تھے کہ کوئی بھی قوم صرف اسی وقت قوم بنتی ہے اور اسی وقت دنیا میں عروج حاصل کرسکتی ہے جب وہ کچھ اصولوں کو مانے اور ان کے مطابق زندگی گزارے۔

اب ہم ایک ایک کر کے ان وسائل کا ذکر کریں گے جو دنیا میں ترقی کی اساس ہیں اور قرآنی شواہد سے بتائیں گے کہ اگر اسلامی احکام پر عمل کیا جائے تو ان فطری اور معروضی اصولوں پر خود بخود عمل ہو جاتا ہے۔

انسانی وسائل

ا۔ محنت

کوئی قوم جب تک قوت عمل نہ رکھتی ہو، ترقی نہیں کرسکتی اور یہ قوت عمل نتیجہ ہوتی ہے اس کے تصور حیات سے اس کی وابستگی کا۔ اگر کسی قوم کا تصور زندگی یہ ہو کہ دنیا بری چیز ہے اور اس میں دلچسپی لینا برا ہے تو رہبانیت اور مذمتِ دنیا کا یہ وطیرہ اسے زندگی میں جدوجہد پر کیسے ابھار سکتا ہے؟ اسی طرح اگر کسی قوم کا نظریۂ حیات اسے عمل پر ابھارتا ہو لیکن وہ اس نظریۂ حیات پر عمل ہی نہ کرے تو وہ دنیا میں ترقی کیسے کرسکتی ہے؟ آیئے اب دیکھیں اسلام کس طرح ہمیں عمل اور محنت پر ابھارتا ہے۔

اسلامی تعلیمات کی رو سے یہ دنیا انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے اور اسی کے لئے تسخیر کی گئی ہے:

> ”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے زمین کی تمام چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے اور کشتی کو بھی جو اس کے حکم سے سمندر پر چلتی ہے۔ وہی اپنے حکم سے آسمان کو زمین پر گرنے سے تھامے ہوئے ہے۔ بے شک اللہ لوگوں پر نرمی کرنے والا اور مہربان ہے“۔ (الحج ٦٥)

"لہذا انسان کا فرض ہے کہ دنیا کو استعمال کرے اور اس سے اپنا حصہ وصول کرے: اور اس دنیا میں اپنے حصے کو نہ بھولو"۔ (القصص۔۷۷)

اس کے ساتھ ہی قرآن نے مسلمانوں کو عمل پر اکسایا لیکن ساتھ ہی خبردار بھی کردیا کہ جو کچھ کرو گے اس کے نتائج کے ذمہ دار تمہی ہو گے:

"اور اے نبی آپ ان سے کہیں کہ تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو اور تمہارے عمل کو اللہ، اس کا رسول اور اہل ایمان دیکھیں گے اور تم جلد اس خدا کے سامنے پیش کیے جاؤ گے جو ظاہر اور غیب کا علم رکھتا ہے پھر وہ تمہیں بتا دے گا، جو تم کرتے رہے تھے"۔ (التوبہ:۱۰۵)

اور عمل صالح کو ایمان کا لازمی نتیجہ اور جز و لاینفک قرار دیا۔

"بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے تو ایسے نیکوکاروں کے اجر کو ہم ضائع نہیں کریں گے"۔ (الکہف:۳۰)

ان تعلیمات سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن ہمیں دنیا برتنے اور اس میں آگے بڑھنے کا حکم دیتا ہے اور اس کیلئے محنت و عمل پر ابھارتا ہے (یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ جب اسلام ہمیں دنیا سے محبت نہ کرنے کا کہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا سے محبت نہ کرو، نہ یہ کہ دنیا کو برتو ہی نہیں) مذکورہ بالا قرآنی تعلیمات کی روشنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی اس طرح تربیت کی کہ ایک دفعہ آپؐ نے چند لوگوں سے بیعت لی تو انہیں اپنے کام خود کرنے اور لوگوں سے سوال نہ کرنے کی تلقین کی۔ ان لوگوں کی یہ حالت تھی کہ اگر سواری پر جاتے ہوئے ہاتھ سے (جانور کو ہنکانے والی) چھڑی بھی گر جاتی تو سواری کھڑی کر کے اترتے اور خود اٹھاتے کسی کو تکلیف نہ دیتے (سنن ابی داؤد، کتاب الزکوٰۃ۔ باب کراھیۃ المسألۃ) اور وہ واقعہ تو بہت مشہور ہے ہی جس میں ایک صحابی نے آپؐ سے مالی امداد کا سوال کیا تو آپؐ نے برا منایا اور کہا تمہارے گھر میں کچھ ہے؟ اس نے کہا غریب آدمی

ہوں میرے گھر میں کیا رکھا ہے سوائے ایک چادر اور پانی پینے کے پیالے کے۔آپؐ نے فرمایا وہی لے آوٴ۔وہ لے آیا تو آپؐ نے انہیں نیلام کر دیا اور جو پیسے ملے اسے دیتے ہوئے کہا کہ کچھ سے گھر کی ضرورت پوری کرو اور باقی سے کلہاڑا اور رسی خرید و اور جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر بیچا کرو۔اس نے یہ محنت کا کام شروع کر دیا اور بآسانی گھر کا خرچ چلانے لگا۔اس پر آپؐ نے فرمایا کہ کیا مانگنے سے یہ بہتر نہیں کہ تم اس طرح محنت کر کے کماوٴ اور کھاوٴ۔(سنن ابی داؤد،کتاب الزکوٰة،باب ماتجوز فی المسألة)

۲۔اتحاد

کوئی قوم اور معاشرہ جب تک ہر سطح پر، ملی سطح پر، قومی سطح پر خاندان کی سطح پر ،سیاسی طور پر معاشی طور پر غرض ہر لحاظ سے پوری طرح متحد اور یکجاں نہ ہو وہ نہ تو طاقتور ہوسکتا ہے اور نہ قوموں کی برادری میں اس کی کوئی عزت اور وقار ہوسکتا ہے۔اتحاد کی برکات کا مظاہرہ ہم اپنی روزمرہ زندگی میں عموماً کرتے رہتے ہیں اور بچپن سے وہ کہانی پڑھتے آئے ہیں کہ ایک بوڑھا باپ بیٹوں کو سمجھانے کے لئے چھڑیوں کا ایک گٹھا لایا اور کہا کہ انہیں توڑو، کوئی بیٹا بھی انہی نہ توڑ سکا اور جب اس نے کہا کہ ایک ایک چھڑی کر کے توڑو تو ہر ایک نے آسانی سے انہیں توڑ لیا۔اتحاد کی انہی برکات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متحد رہنے کا حکم دیا اور فرمایا:

”اور سب مل کر اللہ کے دین کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور باہمی اختلاف سے الگ الگ نہ ہو جاوٴ“۔(العمران:۱۰۳)

’اللہ نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا اس نے نوحؑ کو حکم دیا تھا اور اے نبیؐ اسی دین کی وحی ہم نے آپؐ کی طرف کی ہے اور اسی پر چلنے کا حکم ہم نے ابراہیمؑ کو ،موسیٰؑ کو اور عیسیٰؑ کو دیا تھا کہ اسی دین پر قائم رہو اور اس میں اختلاف نہ پیدا کرو۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

'مومنوں کے باہمی تعلق کی مثال جسم انسانی کی سی ہے کہ اگر جسم کے کسی ایک حصے میں تکلیف ہوتو سارے جسم کو بخار اور بے آرامی ہوتی ہے' (صحیح بخاری، **کتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم**)

'مسلمانوں کی مثال ایک عمارت کی سی ہے جس کی اینٹیں باہم دگر پیوست ہوکر ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتی اور عمارت بناتی ہیں۔ (صحیح مسلم، **کتاب البر، باب تراحم المومنین وتعاطفهم وتعاضدهم**)

اسلام کی انہیں تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ مسلمان کفر کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے۔

۳۔ تنظیم

کوئی قوم اس وقت ترقی نہیں کرسکتی جب تک وہ منظّم نہ ہو کیونکہ قوت تنظیم ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ جس جماعت میں تنظیم نہ ہو اس میں قوت عمل پیدا ہو ہی نہیں سکتی بلکہ ایک مضبوط ریاست کا نظم بھی اگر ڈھیلا پڑ جائے اور اس کی انتظامی مشینری فعال نہ رہے تو اسے بگڑنے اور تباہ ہونے میں زیادہ وقت نہیں لگتا۔ اسلام کے سارے اصول اور ادارے مسلمانوں کو منظّم کرتے ہیں خواہ ان کا تعلق عبادات سے ہو یا اخلاق و معاشرت سے۔ نماز ہی کو لیجئے، مسلمانوں پر باجماعت دن میں پانچ مرتبہ فرض کی گئی جس میں محلے کے لوگ اکٹھے ہوتے ہیں۔ پھر ہر ہفتہ جمعہ فرض کیا گیا جس میں ساری آبادی جمع ہوتی ہے اور سال میں دوبار عید فرض کی گئی جس میں اردگرد کی ساری آبادیاں جمع ہوتی ہیں، پھر حج فرض کیا گیا جس میں ہر سال ساری امت اور سارے مسلم ممالک کے لوگ جمع ہوتے ہیں اور ان ساری سطحوں پر منظّم اجتماعات سے باہمی اخوت میں اضافہ ہوتا ہے اور مسائل کی تنقیح اور حل کے مواقع پیدا ہوتے ہیں۔ پھر نماز میں صف بندی کا حکم دیا گیا اور صفوں کو سیدھا رکھنے کی سختی سے تاکید کی گئی پھر صفوں میں بھی ترتیب رکھی گئی کہ پہلے بڑے

کھڑے ہوں پھر بچے اور آخر میں عورتیں۔ پھر یہ حکم دیا کہ ارکان نماز میں سختی سے امام کی پیروی کرو۔ نہ اس سے پہلے رکوع وسجود کرو اور نہ اس کے رکوع وسجود کے بعد اس کی پیروی میں تاخیر کرو (صحیح مسلم، **کتاب الصلوٰۃ باب تحریم سبق الامام برکوع او بسجود ونحوھما**) معاشرت میں دیکھئے تو معاشرے کی بنیادی اکائی کے طور پر خاندان کو منظم کیا گیا اور وہاں ہر فرد کا دائرہ کار متعین کیا گیا اور میاں بیوی اور والدین واولاد سب کے حقوق وفرائض صراحت سے طے کر دیے گئے۔ سیاسی حوالے سے دیکھئے تو اسلام نے ریاست وحکومت کے قیام کو مسلم معاشرے لے لئے فرض قرار دیا اور ایک حکومت اور ایک حکمران کا تصور دیا اور یہاں تک فرمایا کہ ایک آئینی حکمرانی کرتے ہوئے کوئی دوسرا دعویٔ حکمرانی کرے تو وہ واجب القتل ہے (صحیح مسلم **کتاب الامارۃ، باب اذا بویع الخلیفتین**) اسلام نے تنظیم کا یہاں تک حکم دیا کہ اگر دو آدمی سفر پر نکلیں تو ایک کو ضرور امیر بنالیں۔ (صحیح بخاری **کتاب الجھاد باب سفر الاثنین**)

اسلام کی انہیں تعلیمات کا اثر تھا کہ وہ عرب جو اپنی خودسری میں ضرب المثل تھے اور جزیرہ نما عرب میں کسی حکومت کا وجود تک نہ تھا، مدینہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں اتنے منظم ہو گئے کہ کوئی دوسری قوم اتنی منظم نہ تھی اس تنظیم کا یہ اثر تھا کہ آپؐ نے مدینہ پہنچتے ہی اپنی حکومت وہاں قائم کر لی اس کے باوجود کہ مسلمان اس وقت اکثریت میں نہ تھے۔ بعد کی ساری فتوحات اور کامیابیاں بھی اسی تنظیم کی بدولت تھیں۔

۴۔ منصوبہ بندی

یہ کائنات جس میں ہم رہ رہے ہیں اللہ تعالیٰ کی بے نظیر منصوبہ بندی کا ایک شاہکار ہے۔ جس طرح تدریج کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو پیدا کیا اور پھر ان میں ہر وہ چیز پیدا کی جس کی انسان کو ضرورت پڑنے والی تھی، اس کی منصوبہ بندی کے بارے میں اگر انسان غور کرے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے اس حقیقت کی طرف اللہ تعالیٰ

نے انسان کو بھی توجہ دلائی ہے چنانچہ فرمایا:

'اس نے اوپر تلے سات آسمان بنائے تم خدائے رحمان کی اس تخلیق میں کوئی نقص نہیں دیکھو گے۔ پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لو کہیں تمہیں کوئی نقص دکھائی دیتا ہے؟ پھر بار بار نگاہ دوڑا کر دیکھو تمہاری نظر تھک ہار کر ناکام واپس لوٹ آئے گی' (الملک: ۴)

پھر آفاق سے انفس کی طرف آیئے تو بھی انسان اللہ تعالیٰ کی منصوبہ بندی دیکھ کر ششدر رہ جاتا ہے بشرطیکہ وہ چشم بصیرت استعمال کرے، دیکھئے عورت و مرد کے اعضاء کا توالد وتناسل کے لئے موزوں ہونا، پھر نطفے کو رحم میں پہنچانا، وہاں کئی مرحلوں میں اس کی پرورش کرنا، پھر انسان کی پیدائش طفولت کی کمزوریاں، جوانی کا زور، پھر بڑھاپے کے عوارض، پھر فنا لیکن نسل کا تسلسل جاری رہنا یہ کیسی عظیم منصوبندی ہے!۔

پھر انسانوں کی ہدایت کیلئے اللہ نے پیغمبروں کو ماڈل بنایا اوران کے ذریعے لوگوں کی ہدایت کا سامان کیا۔ اگر آپ اس منہج کی تفصیلات پر غور کریں کہ اللہ نے ان کو ماڈل کس طرح بنایا تو اللہ تعالیٰ کی منصوبہ بندی پر دنگ رہ جائیں گے۔

۵۔ پابندیٔ قانون

کوئی قوم اور جماعت اس وقت تک ترقی نہیں کرسکتی جب تک وہ برضا ورغبت ان قوانین اور قواعد وضوابط کی پابندی نہ کرے۔ اطاعت کا حسن اور نتیجہ خیزی اس امر میں مضمر ہے کہ افراد معاشرہ قانون پر خوشی ورضا مندی سے عمل کریں۔ اسلام نے اپنے ماننے والوں میں اللہ کی محبت اوراس کی خشیت کی بنیاد پر یہی سیرت پروان چڑھائی اور مسلمانوں کے اندر یہ شعور پیدا کیا کہ اگر تم اللہ کے احکام کی اطاعت کروگے تو وہ تم سے خوش ہوگا اور ابدی نعمتوں سے نوازے گا اور اگر نافرمانی کروگے تو اس کی ناراضی اور عذاب شدید مول لینا پڑے گا۔ اس تعلیم سے مسلمانوں کے ضمیر اتنے بیدار ہوگئے کہ دنیوی نقصان سے قطع نظر ان کے لئے اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی ممکن ہی نہ رہی اوراسی تربیت کے نتیجے میں عہد

نبوی اور دور صحابہ میں مسلمانوں نے خوشی و رغبت سے پابندیٔ قانون کی ایسی حیرتناک مثالیں پیش کیں کہ اس کی نظیر انسانی تاریخ سے پیش نہیں کی جاسکتی۔ اس کی ایک مثال حضرت ماعزؓ کا واقعہ ہے کہ جن سے جرم زنا سرزد ہوگیا۔ وہ آپؐ کے پاس آئے اور صراحت سے کہا کہ ان سے یہ جرم سرزد ہوگیا ہے اور وہ اس کا اقرار اس لئے کر رہے ہیں کہ دنیا ہی میں اس کی سزا کاٹ لیں اور آخرت میں اللہ کی سزا سے بچ جائیں چنانچہ انہیں سنگسار کردیا گیا (صحیح مسلم **کتاب الحدود باب من اعترف علی نفسہ بالزنیٰ**) اور اس سے زیادہ حیرتناک واقعہ غامدیہ کا ہے کہ جس سے یہی جرم سرزد ہوا اور جب حضور ﷺ نے اسے ٹالنے کی کوشش کی تو اس نے کہا: ماعز کی طرح مجھے ٹالیے نہیں میں تو پاک ہونا چاہتی ہوں۔ اسے کہا گیا کہ وضع حمل کے بعد آنا۔ وہ بچے کی پیدائش کے بعد آئی تو اسے کہا گیا کہ بچے کی پرورش کرو پھر آنا، پھر وہ اس حالت میں حضورؐ کے پاس آئی کہ اس کا بچہ روٹی کا ٹکڑا کھا رہا تھا۔ اس نے کہا کہ اب تو آپؐ کے پاس کوئی عذر مجھے پاک نہ کرنے کا نہیں رہا۔ چنانچہ آپؐ نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ پھر جب اسے سنگسار کیا گیا تو خون کے چھینٹے حضرت خالدؓ بن ولید کے کپڑوں پر پڑے تو انہوں نے کراہت کا اظہار کرتے ہوئے اس خاتون کے بارے میں نازیبا الفاظ منہ سے نکالے۔ حضورؐ نے جب وہ الفاظ سنے تو ناراض ہوئے اور فرمایا اللہ کی قسم! اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ سارے مدینہ کے لئے کافی ہو۔ (**سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب فی المرأۃ التی امر النبی ﷺ رجمها من جهينة**)

۶۔ ایثار و قربانی

کسی جماعت کے افراد میں جب تک اپنے ذاتی مفاد کو جماعتی مفاد پر قربان کرنے کا جذبہ پیدا نہ ہو وہ ترقی نہیں کرسکتی کیونکہ ایک آدمی کا ذاتی مفاد خواہ وہ بظاہر بڑا ہی کیوں نہ ہو اجتماعی مفاد کے مقابلے میں حقیر ہوتا ہے خواہ وہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔ یہی

وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی ایک لازمی صفت یہ بتائی ہے کہ وہ ہمیشہ ایثار پیشہ ہوتے ہیں، خواہ وہ خود ضرورت مند ہی کیوں نہ ہوں:

اور وہ انہیں اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں چاہے خود ضرورت مند ہی کیوں نہ ہوں اور جنہوں نے اپنے آپ کو لالچ سے محفوظ رکھا وہی فلاح پائیں گے۔ (الحشر: ۹)

اس کا بہترین نمونہ انصار نے اس وقت پیش کیا جب مہاجرین کی ایک خاصی تعداد مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ گئی تو ظاہر ہے اتنے آدمیوں کے لئے خوراک اور رہائش کا فوری انتظام کرنا ممکن نہ تھا۔ اس کا آپؐ نے یہ حل سوچا کہ مہاجرین و انصار میں مواخات کرا دی یعنی ایک مہاجر کو ایک انصاری کا بھائی قرار دے کر اسے اس کا کفیل بنا دیا کہ اس کی رہائش اور روزگار اب اس کی ذمہ داری ہے۔ اس موقع پر ایثار کے ایسے ایسے عظیم الشان واقعات پیش آئے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اکثر انصاریوں نے اپنے مال و اسباب کا نصف اپنے مہاجر بھائی کو پیش کر دیا اور ایک صاحب نے تو یہاں تک کیا کہ مہاجر بھائی سے کہا: میری دو بیویاں ہیں، ان میں سے جو تمہیں پسند ہو اس کو طلاق دے دیتا ہوں تم اس سے نکاح کر لو۔ یہاں تک کہ وراثت کے قوانین نازل ہونے سے پہلے اس طرح کی مواخات میں وراثت بھی منتقل ہوتی تھی۔

قرآن نے مسلمانوں میں یہ اسپرٹ پیدا کی کہ وہ دوسروں کی ضرورتوں کا خیال رکھیں چنانچہ مومنوں کی یہ صفت گنوائی کہ:

”یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں“۔ (الدھر: ۸)

چنانچہ ان کے ایثار کا یہ عالم تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک صحابی کو اس کے کسی دوست نے بکرے کی سری بھیجی۔ انہوں نے یہ سوچ کر کہ فلاں اس کا مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہے اس کو بھجوا دی۔ اس نے بھی یہی سوچ کر آگے کسی اور بھائی کو بھجوا دی۔ اس طرح سات گھروں کا چکر لگا کر وہ سری پھر اسی آدمی کے پاس

پہونچ گئی۔(مولانا جلیل احسن ندوی، زادراہ ص ۳۴۲)

اوراس میں مسلم وغیر مسلم کی تمیز بھی نہ تھی چنانچہ بدر میں جو مشرکین مکہ گرفتار کیے گئے اور کفالت کے لئے مختلف مسلمان گھروں میں بانٹ دیے گئے، ان میں سے بعض نے گواہی دی کہ مسلمان ہمیں کھانے کو سالن روٹی دیتے تھے اور خود کھجوریں کھا کر گزارہ کرتے تھے۔(ابن كثير السيرة النبوية ۲/ ٤٧٥)

۷۔ثابت قدمی

کسی اعلیٰ سے اعلیٰ نظریۂ حیات کا محض جان لینا اور مان لینا کافی نہیں ہوتا جب تک آدمی اس پر پختہ یقین نہ رکھے اور ثابت قدمی سے اس پر ڈٹا نہ رہے اور اس پر عمل اور اس کے نفاذ کے لئے ہر قسم کی جانی اور مالی قربانی دینے کو تیار نہ ہو چنانچہ قرآن کہتا ہے:

'بے شک جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے پھر وہ ثابت قدم رہے تو یقیناً ان پر فرشتے اترتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ تم اندیشہ نہ کرو اور غم نہ کرو اور اس جنت کی بشارت سے خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے'(فصلت:۳۰)

یہاں استقامت سے مراد ہے ثابت قدم رہنا ہر حال میں اس پر ڈٹے رہنا، اس کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے سے دریغ نہ کرنا۔

'اور ہم تمہیں بعض آزمائشوں میں ضرور مبتلا کریں گے جیسے دشمن کا خطرہ، فاقے کا ڈر، مال کا نقصان، جان کی ہلاکت اور قحط کی مصیبت اور پھر خوشخبری ہے ان کے لئے جو ثابت قدم رہیں'۔(البقرہ:۱۵۵)

غزوہ احد میں جب مسلمانوں کو اپنی بعض کمزوریوں اور غلطیوں کی وجہ سے زک پہنچی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس پر دل شکستہ ہونے کی ضرورت نہیں کہ تمہارے سامنے تو ایک بڑا مقصد ہے (یعنی اللہ کی رضا جوئی) جبکہ کافر جن کے سامنے کوئی بڑا مقصد حیات

نہیں وہ بھی تو شکستیں کھانے کے باوجود تم سے برابر مقابلہ کئے جا رہے ہیں:

'اور دشمن کا پیچھا کرنے سے ہمت نہ ہارو۔ اگر تم دکھ اٹھاتے ہو تو تمہارا دشمن بھی تمہاری طرح دکھ اٹھاتا ہے لیکن اللہ سے اجر و ثواب کی جو امید یں تم رکھتے ہو وہ نہیں رکھتے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے'۔ (النساء ۴:۱۰۴)

اور عملاً دیکھئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ؐ کے صحابہ نے دین پر قائم رہنے کے لئے کتنی مصیبتیں اٹھائی اور تکلیفیں سہی ہیں۔ ان کو گلیوں میں گھسیٹا گیا، تپتے صحرا میں لٹا کر سینے پر پتھر رکھ دیے جاتے، مارا پیٹا جاتا۔ معاشی اور معاشرتی بائیکاٹ کیا گیا یہاں تک کہ لوگ جانیں بچانے کے لئے شہر چھوڑنے پر مجبور ہو گئے، پھر جب مدینہ میں ان کو ذرا سہارا ملا تو وہاں بھی ان کو نیست و نابود کرنے کے لئے ان پر مسلح حملے کئے گئے۔ غرض کون سی قربانی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو نہ دینا پڑی یہاں تک کہ سختیوں سے گھبرا کر اور جد و جہد کا کوئی مثبت نتیجہ نہ نکلتے دیکھ کر بعض لوگ مضطرب ہو گئے اور پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے تھے روایت میں آتا ہے کہ یہ سن کر آپ ؐ کا چہرہ شدت جذبات سے سرخ ہو گیا، آپ ؐ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا: تم سے پہلے وہ لوگ ہو گزرے ہیں جنہیں زندہ حالت میں آرے سے چیرا کر دو ٹکڑے کر دیا گیا یا لوہے کی کنگھی سے زندہ حالت میں ان کا گوشت ہڈیوں سے جدا کر دیا گیا لیکن وہ اپنے ایمان پر قائم رہے۔ خدا کی قسم! وہ وقت آنے والا ہے جب ایک شخص اکیلا صنعاء سے چل کر حضر موت تک پہنچے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہو گا مگر تم جلدی کرتے ہو (صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الاسلام) اور جب اللہ تک یہ فریاد پہنچی تو حکم صادر ہوا:

'کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ آرام اور مزے سے جنت میں داخل

ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تم پر وہ حالات نہیں گزرے جن سے پہلے لوگوں کو سابقہ پیش آیا تھا وہ مالی پریشانیوں میں مبتلا ہوئے، انہیں جسمانی اذیتیں دی گئی اور خوف و ہراس نے انہیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ یہاں تک کہ وقت کا رسول اور اس کے اہل ایمان ساتھ پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ (کہو) اللہ کی مدد (بہت) قریب ہے۔ (البقرہ ۲۱۴)

ہماری حالت ہے کہ محض نام کے مسلمان ہیں اور دینی احکام پر عمل کرنے کے لئے ذرا سی بھی مشقت برداشت کرنے اور قربانی دینے کے لئے تیار نہیں تو پھر اللہ کی طرف سے نصرت اور غلبہ کیسے آئے؟۔

نموئی وسائل

ا۔ تعلیم و تربیت

یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ دنیا کی کوئی قوم اور معاشرہ ترقی نہیں کرسکتا جب تک اس میں تعلیم عام نہ ہو۔ تعلیم سے مراد ہے شیوع علم اور اس میں ہر قسم کی تعلیم شامل ہے۔ دینی اور دنیوی، بنیادی اور اعلیٰ، نظری اور عملی، تجربہ و تحقیق پر مبنی ہو یا عقل و فکر پر۔

اسلام میں علم کی یہ اہمیت کیوں ہے؟ اس لئے کہ صحیح علم کے بغیر آدمی خدا کو پہچان سکتا ہے اور نہ اس کائنات میں اپنی حیثیت کو۔

'اور جو لوگ پختہ علم رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم (متشابہ آیات پر بھی) ایمان رکھتے ہیں کیونکہ سبھی طرح کی آیتیں اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہیں اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہوں' (العمران: ۷)

'بے شک اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہوں' (فاطر: ۲۸)

اسی لئے قرآن نے فرمایا کہ عالم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے (الزمر: ۹) بلکہ اہل علم کا درجہ تو بہت بلند ہے (یوسف: ۷۶)

اور مسلمانوں کو کائنات کی تعلیم دیتے ہوئے کہتا ہے کہ میں نے سب کچھ تمہارے لئے ہی تو بنایا ہے:

'کیا تم نہیں دیکھتے اللہ نے تمہارے لئے آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کو مسخر کر دیا ہے' (لقمان:۲۰)

'اور اسی اللہ نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے' (البقرہ:۲۹)

اس میں دوسری زبانیں سیکھنا بھی شامل ہے، چنانچہ آپؐ نے حضرت زید بن ثابت کو حکم دیا کہ عبرانی سیکھو، تو انہوں نے تھوڑے عرصے میں عبرانی سیکھ لی۔ (ابو داؤد، کتاب العلم، باب روایة حدیث اهل الکتاب)

اس میں دینی تعلیم کے علاوہ دوسرے امور میں غیروں سے استفادہ بھی شامل ہے۔ چنانچہ آں حضرتؐ کا فرمان ہے کہ:
'علم و حکمت مومن کی گم شدہ میراث ہے جہاں سے بھی ملے وہ دوسروں کی نسبت اس کا زیادہ حق دار ہے' (سنن ترمذی، کتاب العلم، باب ما جاء فی فضل الفقه علی العباده)

اس میں نظری تعلیم ہی نہیں علمی فنون بھی شامل ہیں، چنانچہ آپؐ نے مدینہ میں نیزہ بازی اور تیز اندازی کی مشقوں کی تحسین فرمائی۔ (صحیح بخاری، کتاب الجهاد باب التحریض علی الرمی)

اس میں تربیت و تزکیہ بھی شامل ہے یعنی تعلیم سے مقصود محض علم دینا نہیں بلکہ اس علم کے مطابق شخصیت کی عملاً تعمیر بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض گنوائے وہاں تعلیم کے ساتھ تزکیے کا ذکر کیا ہے۔ دیکھئے بطور مثال:

'بے شک اللہ نے اہل ایمان پر احسان کیا کہ انہی میں سے ان کے

درمیان ایک رسول بھیجا جو انہیں اللہ کی آیات سناتا، ان کا تزکیہ کرتا اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے جبکہ اس کی بعثت سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے'۔ (العمران:۶۴)

قرآن وسنت کی ان تعلیمات اور ان پر عمل ہی کا یہ اعجاز تھا کہ بہت جلد مسلمانوں میں شرح خواندگی سو فیصد ہوگئی، جگہ جگہ مدارس کھل گئے بلکہ ہر مسجد ایک مدرسہ بن گئی اور آنے والی صدیوں میں مسلمانوں نے نظری اور سائنسی علوم میں محیر العقول ترقی کی۔

۲۔ تحقیق

تحقیق کی بنیاد تین امور ہیں: ایک حریت فکر، دوسرے غور وفکر اور تیسرے مشاہدہ و تجربہ۔ اب آیئے دیکھیں کہ کس طرح قرآن وسنت ان تینوں رویوں کی آبیاری کرتا ہے۔

حریت فکر

حریت فکر سے مراد یہ ہے کہ آدمی چیزوں کو روایتی طور پر محض اس لئے تسلیم نہ کرلے کہ یہ پہلے اسی طرح سے چلی آرہی ہیں بلکہ انہیں ٹھونک پرکھ کے اور ثبوت ودلیل (Reason and Rationality) کے ساتھ مانے، چنانچہ قرآن کفار کے اس رویے کی مذمت کرتا ہے کہ وہ میرٹ پر پرکھے بغیر اسلام کی تعلیم کو محض اس لئے رد کردیتے ہیں کہ یہ ان کے آباءواجداد کی تعلیم کے خلاف ہے۔

اور جب مشرکوں سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو ہدایت نازل کی ہے اس پر چلو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اس راہ پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو چلتے دیکھا ہے۔ تو کیا اس صورت میں بھی وہ اپنے باپ دادا کی پیروی کریں گے جب کہ وہ عقل سے کام لیتے تھے اور نہ سیدھی راہ جانتے تھے'۔ البقرہ:۱۷۰)

اور قرآن حکیم کا یہ مستقل اسلوب ہے کہ وہ جب بھی کوئی دعویٰ کرتا ہے تو ساتھ دلیل دیتا ہے اور جب بھی کوئی حکم دیتا ہے تو ساتھ ہی اس کی حکمت بیان کرتا ہے۔ اس

اسلوب سے سارا قرآن بھرا پڑا ہے، ہم صرف نمونے کی خاطر ایک دو مثال دینے پر اکتفا کرتے ہیں:

- توحید اسلام کا مرکزی تصور ہے۔ قرآن نے بار بار اس کا ذکر کیا ہے اور جہاں بھی اس کا ذکر کیا ہے دلائل کے انبار لگا دیے ہیں۔ صرف ایک موقع دیکھ لیجئے:

'بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا؟ پھر اس نے خوشنما باغات اگائے جبکہ تمہارے بس میں نہ تھا کہ تم ان کو اگا سکتے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور الٰہ بھی ہے؟ بلکہ ایسا سمجھنے والے راہ راست سے ہٹے ہوئے ہیں۔ بھلا کس نے زمین کو رہنے کے قابل بنایا، اس میں دریا جاری کیے اور پہاڑ کھڑے کیے اور سمندروں میں میٹھے اور کھاری پانی کو باہم مختلط ہونے سے بچایا۔ کیا اللہ کے علاوہ کوئی اور الٰہ بھی ہے جو یہ کچھ کر سکتا مگر اکثر لوگ اسے سمجھ کر نہیں دیتے'۔ (النمل: ۶۰۔۶۱)

نماز کا حکم دیا تو فرمایا:

'بے شک نماز بے حیائی اور بے کاموں سے روکتی ہے' (العنکبوت: ۴۵)

اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جیسے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ (البقرہ: ۱۸۳)

'تا کہ وہ مقامات حج پر (تجارت سے) فائدے حاصل کریں اور اللہ نے مویشی انہیں دے رکھے ہیں ان خاص دنوں میں ان کی قربانی کریں اور ان گوشت خود بھی کھائیں اور مسکینوں اور محتاجوں کو بھی کھلائیں'۔ (الحج ۲۸)

غور وفکر

یہ بھی قرآن کا مستقل اسلوب ہے کہ وہ مسلمانوں کو غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔ بطور نمونہ صرف دو مثالیں دیکھئے۔

ایک جگہ مومنوں کی صفات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

'جو کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہر وقت اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور کرتے ہیں'۔ (العمران:۱۹۱)

دوسری جگہ غور وفکر کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا:

کیا یہ اپنے وجود کے بارے میں غور وفکر نہیں کرتے؟ (اگر کرتے تو سمجھ جاتے کہ ان کی طرح) اللہ نے زمین وآسمان اور اس سب کچھ کو جوان کے درمیان ہے۔ایک مدت تک لے۔لئے اور ایک خاص مقصد سے پیدا کیا گیا ہے'۔ (الروم:۸)

تجربہ ومشاہدہ

جیسا کہ سطور بالا میں آپ نے دیکھا کہ قرآن لوگوں کو لکیر کا فقیر اور سنے سنائے اندھے مقلد مسلمان نہیں بناتا بلکہ ان کو دلائل دیتا ہے، احکام کی حکمتیں بتاتا ہے، غور وفکر پر اکساتا ہے، اسی طرح وہ ان کو تجربہ ومشاہدہ کی ترغیب دیتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

'اور زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں یقین کرنے والوں کے لئے اور خود تمہارے اپنے اندر بھی، کیا تم نہیں دیکھتے ہو؟' (الذاریات:۲۰۔۲۱)

'اے نبی ان سے کہو زمین میں گھومو پھرو اور دیکھو کہ کس طرح اللہ نے مخلوق پیدا کیا'۔ (العنکبوت:۲۰)

'اے نبی ان سے کہو کہ زمین میں گھومو پھرا اور دیکھو کہ حق کو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟'۔ (الانعام:۱۱)

اس طرح اسلام آزادانہ سوچ، غور وفکر اور تجربہ ومشاہدہ کی حوصلہ افزائی کر کے انہیں تحقیق پر ابھارتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان علم وتحقیق کی دنیا سے بہت آگے نکل گئے ہیں اور ان کے قائم کردہ معیار علم وتحقیق کا کوئی قوم صدیوں تک مقابلہ نہ کرسکی اور ایسا صرف سائنس وٹیکنالوجی ہی میں نہیں ہوا بلکہ دینی وسماجی علوم میں بھی مسلمانوں کا یہی رویہ رہا یہاں تک کہ علامہ اقبال حضورؐ کے ابن صیاد کے مشاہدے کو

نفسیات کی پہلی تجربی تحقیق قرار دیتے ہیں (The Reconstuction Of Religious Thought In Islam ص ۱۴ از محمد اقبال)

۳۔ سیاسی استحکام

اسلام نام ہے اللہ کے احکام کو سر بسر تسلیم کرنے کا اور ان احکام کی نوعیت یہ ہے کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق الناس دونوں پر مشتمل ہیں اور ان کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کی زندگی اللہ کے احکام کے مطابق گزاری جائے تاکہ آخرت میں، جو دار الجزاء ہے، اللہ ہمیں اپنی خوشنودی اور اپنی نعمتوں سے نوازے۔ اب دنیا کی زندگی گزارنے کے لئے اللہ نے احکام دئے ہیں، وہ انفرادی نوعیت کے بھی ہیں اور اجتماعی نوعیت کے بھی۔ ان اجتماعی نوعیت کے احکام پر اس وقت تک عمل نہیں ہوسکتا جب تک حکومتی اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں نہ ہو جو دنیا کی زندگی اللہ کے احکام کے مطابق گزارنا چاہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کے لئے قیام ریاست وحکومت کو واجب قرار دیا ہے اور قرآن بتاتا ہے کہ انبیاء اس کے لئے ہمیشہ دعاگو اور کوشاں رہے ہیں چنانچہ دیکھئے کہ حضرت لوطؑ پر اسلامی احکام پر عمل کے حوالے سے جب مشکل وقت آپڑا تو انہوں نے کہا: کاش مجھے اقتدار کی پشتیبانی حاصل ہوتی (ھود ۸۰) اور حضرت موسیٰ نے بعثت کے بعد فرعون کو ہدایت کی طرف بلاتے ہوئے پہلا مطالبہ ہی یہ کیا کہ بنی اسرائیل کے اقتدار اعلیٰ کو بحال کرو (الاعراف ۱۰۴، ۱۰۵) اور مکہ میں جب حق وباطل کی کشمکش تیز ہوگئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ دعا سکھائی کہ:

> 'کہو اے اللہ میں جہاں بھی جاؤں عزت سے جاؤں اور جہاں سے بھی نکلوں عزت سے نکلوں اور مجھے اپنی جناب سے فاتحانہ غلبہ نصیب فرما'۔ (بنی اسرائیل: ۸۰)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکومت عطا فرمائی اور اسے استحکام بخشا۔ پھر مسلمانوں نے اس تقاضے کو اس طرح پورا کیا کہ اس اسلامی

حکومت کو وسعت دی اور آج بھی الحمد للہ مسلمان کرۂ ارض کے ایک وسیع حصے پر قابض ہیں۔

یہ بھی ایک منطقی بات ہے کہ اگر اقتدار تو ہو لیکن سیاسی استحکام نہ ہو تو اقتدار کا ہونا بے معنی ہے۔ اس لئے اسلام نے نہ صرف ریاست وحکومت کو واجب قرار دیا بلکہ سیاسی استحکام کے لئے متعدد احکام دیئے جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

'شوریٰ کو فرض قرار دیا (الشوریٰ: ۳۸، آل عمران: ۱۵۹) کیونکہ اس سے عوام میں شراکت اقتدار کا احساس پیدا ہوتا ہے اور حکام وعوام میں ہم آہنگی بڑھتی ہے، حکمرانوں کو عدل وانصاف اور مساوات کا حکم دیا (النحل: ۹۰، النساء: ۵۸، ۱۳۵ وغیرہ) کیونکہ انصاف ہوگا تو عوام خوش ہوں گے اور قانون کی نظر میں عملاً سب برابر ہوں گے تو عوام خود کو حکام سے قریب سمجھیں گے چنانہ آپؐ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے بہترین حاکم وہ ہیں جن سے عوام خوش ہوں اور بدترین حاکم وہ ہیں جن سے عوام تنگ وناراض ہوں (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ: خیار الائمہ وشرارھم)

سیاسی مناصب میں میرٹ پر سختی سے عمل کرنے کا حکم دیا (النساء: ۵۸) اور اقتدار نااہلوں کے ہاتھ میں چلے جانے کو قرب قیامت کی نشانی قرار دیا۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسلام: ماھو وبیان خصالہ)

جائز اور قانونی طور پر قائم شدہ مسلم حکومت کے خلاف مسلح مزاحمت کو بغاوت قرار دیا اور اس کی سزا موت مقرر کی۔ (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب الوفاء ببیعۃ الخلیفۃ الاول فالاول)

مسلمانوں کو ہر حال میں اطاعت کا حکم دیا (النساء: ۵۹) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلم حکمران کی اطاعت کرو خواہ وہ نکٹا حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ (صحیح مسلم، کتاب الامارہ، باب وجوب طاعہ الامراء فی غیر معصیۃ)

اور حکمرانوں کو ہر صورت میں ظلم وجور سے منع کیا اور فرمایا کہ عادل حکمران

جنت کے اعلیٰ ترین درجوں میں ہوگا اور عوام پر ظلم کرنے والے اور ان کے حقوق ادا نہ کرنے والے کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ (صحیح مسلم، کتاب الامارہ، باب وجوب فضیلة الامیر العادل وعقوبة الجائر)

ان ہدایات سے مقصود یہ تھا کہ مسلم حکومت مستحکم رہے اور اس میں انتشار پیدا نہ ہو، ان تعلیمات کا نتیجہ یہ تھا کہ خلفائے راشدین مستحکم حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

۴۔ میڈیا

میڈیا کا کردار یہ ہے کہ اپنی بات احسن اور موثر انداز میں دوسروں تک پہنچائی جائے تاکہ ان پر آپ کا نقطۂ نظر خوب واضح ہو جائے اور وہ اس کے قائل ہو جائیں یا اگر آپ کے مخالف آپ کے خلاف جھوٹا پروپگنڈہ کریں تو اس کا اس طرح توڑ کیا جائے کہ آپ کو کم سے کم نقصان پہنچے، یہ چیزیں ہمیں قرآن وسنت نے خوب سکھائی ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کو دیکھیے۔ فرماتے ہیں:

'اور حضرت نوحؑ نے کہا اے میرے رب میں اپنی قوم کو رات اور دن بلاتا رہا مگر میرے بلانے سے وہ اور زیادہ بھاگنے لگے۔ میں نے جب بھی انہیں بلایا کہ تو انہیں معاف کر دے تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں، اپنے اوپر کپڑے لپیٹ لئے، ضد کی اور بڑا غرور کیا، پھر میں نے انہیں برملا پکارا، انہیں کھلی تبلیغ کی اور انہیں چپکے سے بھی سمجھایا۔ میں نے کہا کہ اپنے رب سے معافی مانگو بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے' (نوح: ۵۔۱۰)

حضرت موسیٰ کی مثال لیجیے انہیں جب اللہ نے خلعت نبوت سے سرفراز فرمایا تو انہوں نے کہا کہ میری زبان میں تو لکنت ہے، اپنی بات عمدگی سے نہ کہہ سکوں گا چنانچہ ان کے بھائی ہارون کو ان کا نائب بنا دیا گیا۔ پھر انہیں حکم دیا گیا کہ فرعون کے پاس جاؤ لیکن اپنی بات نرمی اور دھیمے انداز میں کہنا:

'اے موسیٰ! تم اور تمہارے بھائی) دونوں فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ سرکش ہوگیا ہے اس سے نرمی سے بات کرنا شائد وہ نصیحت قبول کرلے یا اپنے برے انجام سے ڈر جائے' (طٰہٰ:۴۳-۴۴)

اسی طرح اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دی کہ:

'اے نبی آپؐ اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت سے بلائیں، عمدہ طریقے سے انہیں نصیحت کریں اور اچھے طریقے سے ان سے بحث کریں'۔(النحل:۱۲۵)

'اے مسلمانو! جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں تم ان کے معبودوں کو برا بھلا نہ کہو ورنہ وہ بھی حد سے گزر کر جہالت کی بناء پر اللہ کو برا بھلا کہنے لگیں گے'۔(الانعام:۱۰۸)

خود آنحضرتؐ بہترین مقرر رہتے تھے۔ آپؐ کی آواز بلند اور پاٹ دار تھی، تیز نہ بولتے تھے تاکہ مخاطب اچھی طرح سمجھ جائیں۔ حسب ضرورت ہاتھوں سے اشارے بھی کرتے تھے۔ آواز میں زیر و بم تھا۔

کفار کے جھوٹے پروپیگنڈے کا توڑ کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسانؓ بن ثابت کے لئے مسجد میں منبر رکھوایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جب حسان حق کی مدافعت کرتا ہے تو اللہ روح القدس کے ذریعے اس کی اعانت کرتے ہیں۔(سنن ترمذی، کتاب الادب، باب ما جاء فی انشاد الشعر)

حضرت عائشہؓ کے خلاف منافقین نے جھوٹ گھڑ کر کردار کشی کا طومار باندھا تو خود خدا نے ان کی برات نازل کی اور مفسدین کو سزا دی گئی۔

اس زمانے میں پروپیگنڈے کا ذریعہ شاعری تھی تو آپؐ نے بھی اس کا اہتمام کیا۔ لوگوں کے جمع ہونے کے مراکز (حج اور سوق عکاظ) پر آپ تشریف لے جاتے تھے تاکہ زیادہ لوگوں تک بات پہونچ سکے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر سارے مسلمانوں کو جمع کرکے آپؐ

نے موثر خطبہ دیا، اس کے لئے مکبروں کا انتظام کیا گیا، جو آپ کے الفاظ کو آگے لوگوں تک پہنچاتے تھے۔ پھر آپ ؐ کا سب سے بڑا ہتھیار قرآن حکیم تھا کہ دشمن بھی سنتے تو پگھل جاتے ،آپ نے جو اساتذہ تیار کیے تھے ان کو بیرونی علاقوں میں بھیجا کہ دعوت لوگوں تک پہنچائیں ۔دور دراز کے حکمرانوں کو خطوط لکھے اور ضرورت محسوس کی تو ان کو ثقہ بنانے کے لئے مہر بنوائی ،سفیر ان لوگوں کو بنا کر بھیجا جو عمدہ شخصیت رکھتے تھے جیسے حضرت دحیہ کلبیؓ کو، اپنے ایک صحابی کو حکم دیا کہ عبرانی سیکھو تا کہ دشمنوں کے پروپیگنڈے کا توڑ کیا جا سکے،غرض حضور ؐ کی ابلاغی حکمت عملی انتہائی شاندار تھی ،آپ نے اپنے زمانے کے سارے ابلاغی وسائل سے کام لیا ور اس سے بہترین نتائج حاصل کئے اور آپ کے بعد آپ کے صحابہ نے بھی اس روایت کو آگے بڑھایا۔

مادی وسائل

ا۔ سائنس و ٹیکنالوجی

اسلام امور کو ان کی بہترین شکل میں انجام دینے کی تلقین کرتا ہے یعنی (Excellence) کا حکم دیتا ہے، چنانچہ حدیث جبرئیل میں ہے کہ حضرت جبرئیل نے پہلے آپ ؐ سے پوچھا کہ ایمان کیا ہے؟ (یعنی عقیدہ) پھر پوچھا کہ اسلام کیا ہے؟ یعنی اعمال اور اس کے بعد پھر پوچھا کہ احسان کیا ہے؟ یعنی ان اعمال کو بہترین طریقے سے انجام دینے کا طریقہ کیا ہے؟ تو آپ ؐ نے وہ طریقہ بتا دیا یعنی اللہ کی حضوری کا تصور۔ (صحیح مسلم،کتاب الایمان ،باب سوال جبرئیل النبی عن الایمان والاسلام والاحسان)ایک دوسری جگہ آپ ؐ نے فرمایا کہ' اللہ نے تم پر یہ فرض کیا ہے کہ ہر کام بہترین طریقے سے کرو اور یہاں مہمات امور کی بھی قید نہیں کہ نماز، روزہ اور جہاد جیسے امور بہترین طریقے سے انجام دو بلکہ بلکہ فرمایا کہ چھوٹا سے چھوٹا کام ہو تو بھی بہترین طریقے سے کرو چنانچہ فرمایا:

'اگر جانور ذبح کرنا ہو تو بھی اچھی طرح کرو اور چھری کو پہلے اچھی طرح تیز

کرلو۔(صحیح مسلم کتاب الصید باب الامر باحسان الذبح والقتل)

۲۔معاشی صلاحیت

انسان کے بڑے مسائل میں سے ایک اس کا معاشی مسئلہ بھی۔چنانچہ اسلام نے مسلمانوں کے معاشی استحکام اور معاشی ترقی کے لئے واضح اور متعین ہدایات دی ہیں جن میں سے چند اہم یہ ہیں:

دولت کی چند ہاتھوں یں ترکیز سے منع کیا اور اس کی تقسیم کا اس طرح معقول انتظام فرمایا کہ اس کا رخ دولت مندوں سے ضرورت مندوں کی طرف ہو گیا:

'اور جو مال اللہ اپنے رسول کو دوسری بستیوں سے بطور فے دلوا دے تو اس میں حق ہے اللہ کا،اس کے رسول کا،رسول کے مومن رشتہ داروں کا ،یتیموں مسکینوں اور مسافروں کا تا کہ وہ مال صرف تمہارے مالداروں کے درمیان گردش نہ کرتا رہے'۔(الحشر:۷)

ناجائز دولت ذرائع سے دولت کمانے سے منع کر دیا:

'اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ البتہ باہم رضامندی سے تجارت کے ذریعے جو مال حاصل کرو وہ کھا سکتے ہو'۔(النساء:۲۹)

خرچ کرنے میں اعتدال کا حکم دیا،بخل سے بھی منع کر دیا اور اسراف سے بھی:

'جن لوگوں کو اللہ نے مال و دولت سے نوازا ہے مگر وہ مال خرچ کرنے میں بخل سے کام لیتے ہیں تو وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کے حق میں اچھا ہے بلکہ یہ ان کے حق میں بہت برا ہے۔جس مال دولت میں وہ بخل کر رہے ہیں اس کا قیامت کے دن انہیں طوق پہنایا جائے گا'۔(العمران:۱۸۰)

'اور کھاؤ پیو مگر فضول خرچی نہ کرو کیونکہ اللہ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا'۔(الاعراف:۳۱)

زکواۃ کی صورت میں غریبوں اور مسکینوں کی مدد قانونی طور پر فرض کردی اور اسے عبادت کا درجہ دے دیا:

'اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور تم اپنے لئے جو بھلائی بھی آگے بھیجواؤ گے اس کا اجر اللہ کے ہاں ضرور پاؤ گے'۔ (البقرہ:۱۱۰)

زکوۃ کے علاوہ بھی ملی طور پر پسے ہوئے طبقے کی مدد کرنا اغنیاء کا اخلاقی فرض قرار دیا:

'اور ان (امیروں) کے مال میں حق ہے سوالیوں کا اور محروموں کا'۔ (الذاریات:۱۹)

سود یعنی محنت کے بغیر سرمائے کو نفع اندوزی کے لئے استعمال کرنے سے روک دیا اور اس کی قباحتوں کے پیش نظر اسے اللہ اور رسول اسے جنگ قرار دیا:

'اے ایمان والو! اگر تم واقعی مومن ہو تو اللہ سے ڈرو اور تمہارا جو سود لوگوں کے ذمہ باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو یاد رکھو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے'۔ (البقرہ :۲۷۸۔۲۷۹)

یہ معاشی تعلیمات انقلابی نوعیت کی تھیں اور ناممکن تھا کہ ان کا مثبت نتیجہ نہ نکلتا ۔ چنانچہ جب صحابہ ہجرت کر کے مدینہ گئے تو اس وقت مالی طور پر قلاش تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سمیت سب کو فقر وفاقہ کا سامنا تھا لیکن آنحضرتؐ کی وفات تک دس سال ہی میں حالات بہت سدھر گئے اور حضرت عمرؓ کے زمانے تک پہنچتے پہنچتے دولت کی ریل پیل ہوگئی اور سوشل سیکیوریٹی کا فعال نظام قائم کردیا گیا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں ایک وقت وہ آیا کہ بعض بستیوں میں زکوٰۃ لینے والا کوئی نہ رہا۔

۳۔ حربی قوت

جنگ کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر دو چیزوں کو آلات حرب پر ترجیح دیتا ہے: ایک

اللہ کی نصرت کی توقع اور دوسرے انسان، اوران دونوں کی اہمیت کو کافر بھی تسلیم کرتے ہیں ،پہلی بات فوج کے مورال کی اساس ہونے کی بناء پر اور دوسری کو اس لئے کہ اسلحہ کے مقابلے میں لڑنے والا آدمی بہر حال اہم تر ہوتا ہے کیونکہ اگر فرد میں لڑنے کا جذبہ نہ ہو تو انتہائی مہلک اور قیمتی اسلحہ بھی اس کے لئے بیکار رہے۔ اس لئے اسلام لڑنے والے آدمی کے سامنے اللہ کی رضا جوئی اور اعلاء کلمۃ اللہ کا اتنا بڑا مقصد رکھ دیتا ہے کہ وہ اس کی خاطر جان دینے کو سعادت سمجھتا ہے اور زندہ رہنے پر مرنے کو ترجیح دیتا ہے۔ یہی دو عناصر مسلمانوں کی جنگی قوت کا اصل سبب ہیں اور دشمنوں کے ساتھ ان کی مڈبھیڑ میں فیصلہ کن کردار ادا کرتے ہیں۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلام اسلحے اور آلات حرب کو اہمیت نہیں دیتا، اسلام کی تو مستقل پالیسی ہی یہ ہے کہ تمام دنیوی معاملات میں پہلے اسباب فراہم کرنے کی مقدور بھر کوشش کرنے پھر اللہ کی نصرت کی امید رکھنے کی تلقین کرتا ہے۔ چنانچہ ایک آدمی نے آپؐ سے توکل کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ پہلے اونٹ کا گھٹنا باندھو اور پھر اللہ پر توکل کرو (کہ وہ گم نہیں ہو جائے گا) (سنن ترمذی، كتاب صفة القيامةُ باب حديث اعقلها وتوكل) اسی طرح پہلے آپؐ نے بدر کے میدان میں ساری زندگی کی جمع پونجی لا کر حاضر کر دی پھر (جذب کے عالم) میں کہا کہ اے اللہ! یہ لوگ اگر آج مٹ گئے تو تیرا نام کون لے گا؟ (صحیح مسلم، كتاب الجهاد، باب الامداد بالملائكة فى غزوة بدر) یہ دعا گھر بیٹھے نہیں مانگ لی حالانکہ آپؐ اللہ کے محبوب پیغمبر تھے اور اللہ کی رحمت کے مستحق تھے۔ چنانچہ جنگ کے حوالے سے بھی قرآن کہتا ہے کہ تمہارے پاس اتنا اسلحہ ضرور ہونا چاہئے جس سے کافروں پر تمہارا رعب بیٹھ جائے:

> 'اور اے مسلمانو! جس قدر تم سے ہو سکے فوجی قوت اور گھوڑے تیار رکھو جس سے اللہ کے دشمنوں پر تمہارے دشمنوں پر اور ان لوگوں پر تمہاری ہیبت قائم رہے جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے'۔ (الانفال: ٦٠)

اس ہدایت اور اسپرٹ کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے مسلمان اسلحے میں بھی ہمیشہ

اپنے دشمنوں سے آگے رہے ہیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر مدینہ میں شام کے وقت کھلے میدان میں تیراندازی اور نیزہ بازی کی مشق کی جاتی تھی۔(صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب التحريض على الرمی)اور روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب آپؐ نے طائف کا محاصرہ کیا تو اس وقت منجنیق استعمال کی۔(ابن سید الناس، عیون الاثر ۲/ ۲۰۰) جو اس زمانے کے اسلحہ جنگ میں جدید ترین ہتھیار تھا، پھر حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں بحری بیڑا بنا لیا گیا، جس نے سمندروں میں مسلمانوں کی بالادستی کو مستحکم کر دیا۔

مندرجہ بالا گزارشات سے ظاہر ہے کہ قرآن وسنت کی تعلیمات ان فطری اور معروضی اصولوں کی زبردست موید ہیں جو دنیا میں ترقی وعروج کا سبب ہیں لہذا مسلمانوں نے جب صدر اسلام میں اسلامی تعلیمات پر عمل کیا تو ان معروضی اصولوں پر خود بخود عمل ہو گیا، اسباب دنیا مہیا ہو گئے اور مسلمان دنیا میں ترقی وعروج سے ہمکنار ہوئے۔

مسلمانوں کے عروج کے اصولوں کا مطالعہ کرنے کے بعد آیئے اب یہ دیکھیں کہ جب مسلمان ایک صالح نظریۂ حیات رکھتے تھے اور دنیا میں ترقی وعروج کے فطری اور معروضی اصولوں پر عمل پیرا تھے تو پھر وہ زوال پذیر کیوں ہوئے؟۔

فصل دوم

مسلمانوں کے زوال کے اسباب

جیسا کہ ہم نے پہلے باب میں ذکر کیا تھا قوموں اور تہذیبوں کے زوال کے دو بڑے اسباب ہوتے ہیں۔ اگر کسی قوم اور ملت کا نظریۂ حیات صحیح ہو تو اس کے زوال کا بنیادی سبب اس نظریۂ حیات سے وابستگی کھودینا ہوتا ہے اور اگر کسی قوم ر تہذیب کا نظریۂ حیات غیر صالح اصولوں پر مبنی ہو تو ترقی و عروج کے معروضی اصولوں پر عمل کر کے وہ وقتی طور پر تو عروج حاصل کرسکتی ہے لیکن غلط اصول حیات کی وجہ سے وہ جلد ہی فساد فی الارض کا شکار ہو کر ختم ہوجاتی ہے۔ مسلم امت کے زوال کی وجہ پہلی ہے یعنی اس کے عروج کی وجہ اس کے صالح نظریۂ حیات سے اس کی محکم وابستگی تھی جس کی بناء پر ترقی وعروج کے فطری و معروضی اصولوں پر بھی عمل ہوگیا اور اسے قوت وغلبہ مل گیا۔ پھر جب مختلف عوام کی بناء پر اپنے نظریۂ حیات سے اس کی وابستگی کمزور پڑ گئی تو ترقی وعروج کے معروضی اصولوں پر عمل بھی چھوٹ گیا اور نتیجتاً اسے زوال وادبار نے آلیا۔

سطور ذیل سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ مسلمان بلا سبب ہی زوال کا شکار نہیں ہوگئے بلکہ وہ عملاً ان تمام امراض میں مبتلا ہوگئے ہیں جو ہر اس قوم کو زوال کے گڑھے میں گرا دیتے ہیں جو ان کا شکار ہوجائے۔

صحیح نظریۂ حیات سے عدم وابستگی

یہ زوال کا بنیادی سبب ہے اور زوال امراض میں اس کی حیثیت ام الامراض کی ہے کیوں کہ قرآن وسنت کی تعلیمات کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ اگر تم اپنے نظریۂ حیات (دین اسلام) پر عمل چھوڑ دو گے تو دنیا و آخرت میں ناکام رہو گے یعنی زبانی اقرار کافی نہیں سچ مچ

کے باعمل مسلمان بن کر دکھاؤ۔ (آل عمران: ۱۴۲، التوبہ: ۱۶) آدمی کا جو بھی نظریۂ حیات ہو اس کے ساتھ اس کی گہری وابستگی ہو، وہ اس کے تقاضوں پر عمل کرتا ہو، اس کے قول و فعل میں تضاد نہ ہو، انسان کے قول فعل میں تضاد ہونا درحقیقت اپنے نظریۂ حیات پر اس کے ایمان کی نفی ہے، اسی لئے منافق کافر سے بدتر ہوتا ہے۔ جو لوگ کسی نظریۂ حیات پر یقین رکھنے کا دعویٰ کریں اور عمل اس کے مطابق نہ کریں شکست اور نامرادی ان کا مقدر بنتی ہے کیونکہ ان کی شخصیت یکسو نہیں رہتی، وہ ہمیشہ تذبذب اور کشمکش کا شکار رہتے ہیں، ایک طرف سے انہیں ایمان کھینچتا ہے تو دوسری طرف سے کفر اور وہ آدھے تیتر آدھے بیٹر بن کر رہ جاتے ہیں۔ بلکہ اگر آپ ہمیں ایک سخت جملہ کہنے کی اجازت دیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان پر تو وہی مثل صادق آتی ہے کہ دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔ کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ آپ کی شخصیت یکسو رہے، آپ کے فکر و عمل کی ایک جہت معین ہو اور آپ کے سارے قویٰ کسی ایک مقصد، کسی ایک غایت کے لئے مجتمع ہو جائیں، لیکن اگر آپ نام اسلام کا لیتے ہیں اور کام اس کے مطابق نہیں کرتے تو پھر آپ اس دنیا میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے، گویا معروضی لحاظ سے بھی مسلمانوں کے زوال کا بنیادی سبب ان کی اپنے نظریۂ حیات کے ساتھ عدم وفاداری ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ صحابہ سے فرمایا کہ ایک وقت آئے گا تم پر لوگ اس طرح ٹوٹ پڑیں گے کہ جس طرح بھوکے کھانے پر ٹوٹتے ہیں۔ انہوں نے کہا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا اس وقت ہماری تعداد بہت کم رہ جائے گی؟ فرمایا: نہیں تمہاری تعداد تو بہت زیادہ ہوگی لیکن دشمنوں پر تمہارا رعب نہیں رہے گا اور تمہارے اندر وہن آجائے گا، انہوں نے پوچھا، وہن کیا؟ تو آپؐ نے فرمایا: دنیا کی محبت اور موت سے کراہیت۔ (ابوداؤد، کتاب الملاحم باب فی تداعی الام علی الاسلام) مطلب یہ کہ تم دین کی اساسات پر عمل کرنا چھوڑ دو گے دین کا اساسی قاعدہ یہ ہے کہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دو اور آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ہیچ سمجھو لیکن تم آخرت سے محبت کرنے کے بجائے دنیا سے محبت کرنے لگو گے اور موت سے کراہیت کا مطلب یہ ہے کہ تم میں دین پر عمل کے لئے قربانی کا جذبہ باقی نہیں رہے گا جہاد کی سپرٹ ختم ہو جائے گی اور موت سے ڈرنے لگو گے۔

گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں مسلمانوں کی کمزوری اور زوال کا حقیقی سبب اسلامی احکام پر عمل نہ کرنا ہے۔ آخرت کے مقابلے میں دنیا سے محبت کرنا اور اپنے مقصد حیات کے لئے قربانی دینے کے جذبہ کا باقی نہ رہنا ہے۔ انہیں الفاظ کو دوسرے رنگ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کے عروج اور قوت کا نسخہ ہے: اسلام پر عمل کرنا، آخرت کو دنیا پر ترجیح دینا اور اپنے نظریۂ حیات کیلئے جان لڑا دینا۔ اب آپ انصاف سے اس معیار پر مسلمانوں کو خود جانچ لیجئے کہ اس معیار پر وہ کامیاب ہیں یا ناکام، چلئے اس جذبے کو ناپنا مشکل ہو تو کوئی ایسی چیز لے لیجئے جسے آسانی سے ناپا جا سکے مثلاً: نماز کو لے لیجئے۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ اللہ نے اسے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اور اللہ کو الٰہ ماننے کا بنیادی ترین تقاضا یہ ہے کہ بندگی صرف اسی کی کی جائے۔ اب بتائیے کہ مسلمانوں میں کتنے فیصد لوگ نماز پڑھتے ہیں؟ ہمارا اندازہ ہے کہ دس بارہ فیصد سے زیادہ لوگ نہیں پڑھتے اور جو لوگ اچھی نماز پڑھتے ہیں اور بندگی کا حق ادا کرتے ہیں وہ شائد ایک فیصد بھی نہیں۔ اب اگر اللہ کی اطاعت اور اس کے ساتھ وفاداری کا ہمارا یہ عالم ہے تو ہم کس منہ سے کامیابی اور غلبے کی توقع رکھ سکتے ہیں؟ یہاں یہ کہنا بے عقلی اور کج بحثی ہوگی کہ اہل مغرب تو نماز نہیں پڑھتے پھر وہ کیوں کر غالب و کامیاب ہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ جو ان کا نظریۂ حیات ہے وہ اس سے وفادار ہیں اور ہمارا نظریۂ حیات ہے ہم اس سے وفادار نہیں اور یہی فیصلہ کن ہے، چنانچہ ہمارے شاعر کو بھی کہنا پڑا ؎

وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے
مرے بت خانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو

جہاں تک ان اسباب کا تعلق ہے جو مسلمانوں کے نظریۂ حیات سے عدم وابستگی کا سبب بنتے ہیں تو ان میں سے اہم یہ ہیں:

مسلمانوں کی نظریۂ حیات سے عدم وابستگی کے اہم اسباب

نظری اسباب

۱۔حب دنیا

۲۔فکر آخرت میں کمی

۳۔شرک و بدعات

۴۔دینی مآخذ سے دوری

۵۔اخلاقی کمزوریاں

۶۔تقلید و جمود

۷۔روح جہاد میں کمی

عملی اسباب

۱۔تعلیم و تربیت، دعوت و اصلاح اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ناقص انتظام

۲۔قبائلی، نسلی اور علاقائی تعصبات

۳۔سیاسی نظام کا ابتداء ہی سے پٹری سے اتر جانا اور اس کے نتیجے میں مسلم معاشرے میں سیاسی عدم استحکام، دینی عناصر کی حکومت سے دوری، سیاسی استبداد، مالی بدعنوانیاں وغیرہ۔

۴۔غیر مسلم قوموں اور تہذیبوں کے اثرات قبول کرنا۔

۵۔معاشی جمود

۶۔تسخیر کائنات (سائنس و ٹکنالوجی) سے اغماض

۷۔خوش حالی کی وجہ سے عیش و عشرت میں پڑ جانا

غرض جب امت مسلمہ کی دین اسلام سے وابستگی محکم نہ رہی تو اس کے منطقی نتیجے میں وہ ان دسائل سے بھی محروم ہوتی چلی گئی جو ترقی و عروج کے ضامن ہیں اور ان امراض میں بھی مبتلا ہوتی چلی گئی جو ان صلاحیتوں کے فقدان سے پیدا ہوتے ہیں اور زوال کا سبب بنتے ہیں، ہم ان امراض کا یہاں مختصر ذکر کریں گے کہ کس طرح وہ مسلم امت میں سرایت کر چکے ہیں۔

انسانی وسائل کا خاتمہ

۱۔ کاہلی اور کام چوری

جب کسی قوم کا اپنے نظریۂ حیات پر پختہ یقین نہ رہے تو وہ قوت عمل کھو دیتی ہے اور محنت سے جی چرانے لگتی ہے، اس وقت مسلم سوسائٹی کی حالت یہ ہے کہ طلبہ کی اکثریت یہ چاہتی ہے کہ انہیں بغیر محنت کے ڈگری مل جائے۔ ملازمین یہ چاہتے ہیں کہ انہیں بغیر محنت کے تنخواہ مل جایا کرے، افسران یہ چاہتے ہیں کہ سارا کام چھوٹے ملازمین کو کرنا پڑے۔ اساتذہ یہ چاہتے ہیں کہ انہیں طلبہ کے ساتھ سر نہ کھپانا پڑے اور انہیں سبق یاد ہو جائے۔ یہاں تک کہ ہم نے مسلم طلبہ، مزدوروں، ڈاکٹروں اور انجینئروں کو دیکھا ہے کہ اپنے ملک میں جان مار کر کام نہیں کرتے لیکن جب مغربی ممالک میں جاتے ہیں تو وہاں کے ماحول کے مطابق خوب محنت سے کام کرتے ہیں۔ لیکن اس کا سبب بہر حال ہمارا دین نہیں ہے کہ کیونکہ اسلام تو محنت کرنا سکھاتا ہے اور بے عملی کو ناپسند کرتا ہے، وہ معاشرتی انصاف کا علمبردار ہے اور وسائل پیداوار میں محنت کو اہم مقام دیتا ہے۔

۲۔ بے اتفاقی

جب قوم کسی نظریۂ حیات پر متحد ہوتی ہے تو زندگی کے سارے شعبوں میں اتحاد کا مظاہرہ کرتی ہے لیکن جب نظریۂ حیات سے اس کی وابستگی محکم نہیں رہتی تو زندگی کے ہر شعبے میں انتشار اور بے اتفاقی کے مظاہر عام ہو جاتے ہیں، اس وقت مسلمانوں کی حالت کا جائزہ لے لیجئے کہ کیا ان میں اتفاق ہے؟ تازہ واقعات کو دیکھ لیجئے۔ ایک غریب اور کمزور مسلم ممالک افغانستان پر سارا مغرب امریکہ کی سرپرستی میں پل پڑا اور

مسلم ممالک کو جارح کی مذمت کی ہمت تک نہ ہوئی۔ پاکستان جو افغانستان کا ہمسایہ ملک تھا جس کا کام اس کی مدد کرنا تھا، اسی نے اسے مروا دیا اور جارح دشمن کی ایک دھمکی تک برداشت نہ کر سکا۔ یہی کچھ عراق پر امریکی حملے کے وقت ہوا کہ کوئی عرب ملک نہیں بولا، الٹا ہمسایہ عرب ممالک نے عراق کے خلاف امریکہ کا ساتھ دیا۔ ۵۷ مسلم ممالک کی اسلامی کانفرنس تنظیم اس دوران دم سادھے خاموش بیٹھی رہی۔

۳۔ فقدان تنظیم و منصوبہ بندی

مسلم قوم ایک غیر منظم انبوہ ہے، جیسے بھیڑ بکریوں کا ریوڑ، ہم ایک یونیورسٹی میں کام کرتے ہیں جس کے نونہال یونیورسٹی بس میں اس طرح سوار ہوتے ہیں جس طرح بھوکے کھانے پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ دھینگا مشتی کا وہ عالم ہوتا ہے کہ خدا کی پناہ۔

پچھلی دہائیوں میں پٹرول برآمد کرنے والے مسلمان ممالک نے اربوں ڈالر کمائے، ان کا کیا بنا؟ کیا ان ممالک نے صنعتی ترقی کر لی؟ کیا انٹرنیشنل اسٹینڈرڈ کی یونیورسٹیاں قائم کی گئیں؟ کیا عالمی سطح کے بنک قائم کئے گئے؟ کچھ بھی نہیں ہوا، الٹا ان ممالک کو جنگوں میں الجھا کر انہیں اسلحہ بیچ کر اور حفاظت کے نام پر چھتری مہیا کر کے ان سے کروڑوں اربوں ڈالر ہتھیا لئے گئے اور یوں ان کی معیشت تباہ کر دی گئی بلکہ ان کے تیل کے کنوؤں پر قبضہ بھی کر لیا گیا۔ غرض جس چڑیا کا نام منصوبہ بندی ہے وہ مسلم امت میں پائی ہی نہیں جاتی۔

۳۔ پابندیٔ قانون

مسلمانوں میں قانون کی پابندی کا کوئی تصور ہی نہیں۔ قانون صرف غریبوں کمزوروں اور لاوارثوں کے لئے ہے۔ امیر لوگ دھڑلے سے قانون کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور رشوت و سفارش سے چھوٹ جاتے ہیں۔ مسلمان ججوں کی ایک بڑی تعداد پیسے لے کر قانون کا مفہوم اور اطلاق بدل دیتی ہے، مسلمان وکیلوں کا کام ہی

قانون سے کھیلنا ہے، بڑے بڑے سرمایہ دار جاگیردار اور سیاست دان جو خود اسمبلیوں میں قانون بناتے ہیں وہ اس پر عمل کرنا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔

یہ اس قوم کا حال ہے جس کا پہلا سبق ہی اسمعوا و اطیعو سنو اور اطاعت کرو تھا اور جس میں سمع وطاعت کا معیار یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ خطبہ دیتے ہوئے کھڑے ہوئے لوگوں سے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ جو جہاں تھا وہیں بیٹھ گیا یہاں تک کہ جو لوگ دروازے میں تھے وہ وہیں بیٹھ گئے اور اس طرح راستہ بند ہو گیا، چنانچہ آپ ﷺ کو فرمانا پڑا ابھی راستہ تو چھوڑ دو۔ (کنز العمال ۱۱/۱۸۳)

۴۔ خودغرضی و بزدلی

خودغرضی کی بیماری اس وقت مسلمانوں میں سب سے عام ہے۔ ذاتی مفاد کو قومی مفاد پر ترجیح دینا ہمارا شیوہ بن چکا ہے، مسلم ممالک میں فوجی بغاوتیں کیوں ہوتی ہیں ؟ فوج کا سربراہ اپنے حلف کی خلاف ورزی کر کے ایسے کام میں کیوں ملوث ہونا چاہتا ہے جس کی اسے سرے سے کوئی ٹریننگ ہی نہیں دی گئی ہوتی ؟ محض ذاتی مفاد اور اقتدار کی خاطر، ملک ٹوٹتا تو ٹوٹے، معیشت کا بیڑا غرق ہوتا ہو تو ہو۔ ملک کی بدنامی ہو تو اس کی بلا سے، اسے صرف اپنے ذاتی مفاد سے غرض ہوتی ہے۔

ہماری بزدلی کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں اپنے نصب العین سے محبت نہیں رہی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تمہاری بزدلی اور دشمن کے لئے تر نوالہ بن جانے کی وجہ حب الدنیا وکراھیۃ الموت ہوگی اور آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، پھر ہم گلہ کس سے کریں، کافر اپنی جمہوریت اور سیکولرزم کو بچانے کے لئے کتنی قربانی دے سکتے ہیں، صرف دوسری جنگ عظیم کے اعداد وشمار دیکھ لیجے۔ اس میں اہل مغرب کی ساڑھے تین سے چھ کروڑ جانیں ضائع ہوئیں۔ امریکہ کا جانی نقصان ۲۹ ہزار فوجی اور ۶ ہزار سول افراد اور برطانیہ کا جانی نقصان ۲۶ لاکھ فوجی اور سول افراد تھا۔ (انسائکلو پیڈیا برٹانیکا ۹/۱۰۱۳)۔

امریکہ نے حال ہی میں افغانستان اور عراق پر حملہ کیا تو اس نے اپنی پارلیمنٹ سے ۱۴۰ ارب ڈالر کا بجٹ منظور کروایا جو ۲۴ کھرب روپے بنتا ہے۔ عراق پر حملے کے وقت ۲۴ ارب ڈالر کا خرچہ ہوا اور ان دونوں جگہ پر اس وقت (ستمبر ۲۰۰۴) امریکی فوجی کاروائیوں پر تقریباً ۵/ارب ڈالر (۳ کھرب روپئے) ماہانہ خرچ اٹھا رہا ہے، عراق میں اس اب تک (ستمبر ۲۰۰۴) امریکہ کے ۱۵ ہزار فوجی مارے جا چکے ہیں اور ۲۵ ہزار زخمی ہو چکے ہیں (بحوالہ لاس اینجلیس ٹائمس) اور روز بروز ان میں اضافہ ہو رہا ہے لیکن اس کے باوجود امریکی پارلیمنٹ اور رائے عامہ یہ قربانی دے رہی ہے۔ یہ عالم کفر کا حوصلہ ہے۔ ہمارا حوصلہ ملاحظہ فرمایئے پاکستانی حکمرانوں نے محض اس ڈر سے کہ امریکہ ہم پر حملہ نہ کر دے اپنی ہر چیز امریکہ کے حوالے کر دی کہ لو! افغانستان کو خوب ذبح کرو۔ سارے عالم اسلام کی بہادری کا یہ عالم تھا کہ وہ ایک کمزور سا بھی احتجاج نہ کر سکا حالانکہ ایک میمنے کو بھی ذبح کریں تو وہ چیختا ہے، ہم تو ایک چیخ بھی بلند نہ کر سکے، پھر اگر ہم ذلیل ورسوا نہ ہوں تو کیا ہوں؟۔

نموئی وسائل کا خاتمہ

ا۔ تعلیم و تربیت

تعلیم ہی سے فرد کی تکوین ہوتی ہے، یہی قوم کی قوت کا منبع ہوتی ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ تعلیم عام ہو، اس کا معیار بلند ہو، یہ قومی ضروریات پوری کرے اور قوم کے طے کردہ نصب العین، اس کے نظریۂ حیات اور تصور علم کے مطابق ہو۔ مسلم امہ میں تعلیم اس وقت ان چاروں خصائص سے عاری ہے۔

پھر جو تعلیم ہے اس کا معیار فروتر ہے۔ ہمارے یہاں لوگ بی اے کر لیں تو بھی ایک درخواست تک نہیں لکھ سکتے۔ پھر جو بری بھلی تعلیم ہے وہ قومی ضرریات کو پورا نہیں کرتی، خواتین ے لئے الگ تعلیم کا انتظام نہیں ہوتا، جس معیار اور مقدار میں فنی ماہرین

کی ضرورت ہوتی ہے وہ پوری نہیں ہوتی۔ تعلیم ہے تو تربیت کا کوئی تصور نہیں، اس وجہ سے یکسو مسلم شخصیت پروان ہی نہیں چڑھ پاتی اور انسان سازی کا عمل معاشرے سے ناپید ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہماری تعلیم ہماری نظریاتی ضرورتوں کو پورا نہیں کرتی۔ ہمارا نظام تعلیم مغرب کا بھونڈا چربہ ہے جس میں اسلام کے نام کی معمولی دخل اندازی کی گئی ہے درآں حالیکہ اسلام کا اپنا ایک مخصوص تصور علم ہے اور اس کا اپنا ایک مخصوص ورلڈ ویو (تصور انسان، تصور کائنات اور تصور الٰہ) ہے۔ اس کے مقابلے میں مغرب کو دیکھئے، اکثر مغربی ممالک میں شرح تعلیم سو فیصد کے قریب ہے۔ کالجوں یونیورسٹیوں کی بھرمار ہے، معیار تعلیم بلند ہے اور نظام تعلیم معاشرے کے نظریات کے مطابق افراد کامیابی سے تیار کر رہا ہے یہی وجہ ہے کہ دنیا میں وہ کامیاب ہیں اور مسلمان ناکام۔

۲۔ تحقیق

تحقیق جو کبھی مسلمانوں کے گھر کی لونڈی تھی آج ان سے روٹھی ہوئی بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ خود انہوں نے اسے چھوڑ رکھا ہے۔ تحقیق کی بنیاد حریت فکر ہے کہ اس کے بغیر تحقیق کی گاڑی آگے نہیں بڑھ سکتی۔ حریت فکر پر پہلی کاری ضرب سیاسی جبر نے لگائی، دوسری ضرب صوفیوں کے تصور دین کے طرف سے آئی، رہی سہی کسر علماء نے اجتہاد کا دروازہ بند کرنے کا اعلان کر کے پوری کردی اور اب یہ کیفیت ہے کہ مسلمان اندھی تقلید پر فخر واصرار کرتے ہیں اور ہر نئی بات اور نیا نظریہ ان کو بدعت اور انحراف لگتا ہے۔

آج کل مسلمان ممالک میں اعلیٰ تعلیم عام ہے نہ تحقیق کی سہولتیں ہیں۔ تحقیق کے لئے ضروری ہے کہ بہترین لائبریریاں ہوں۔ اہل علم کو تحقیق کے لئے بہترین مراعات دی جائیں تاکہ وہ ہر قسم کے غم و فکر سے آزاد ہو کر دلجمعی سے تحقیق میں لگ جائیں۔ پھر ان کے نتائج تحقیق کو علمی حلقوں کے سامنے لایا جائے اور اس پر بحث و گفتگو ہو اس طرح تحقیق کا کلچر فروغ پائے گا۔ یاد رہے کہ آج ہمیں تحقیق کی ضرورت صرف سائنس وٹیکنالوجی کے شعبوں ہی میں نہیں بلکہ سوشل سائنسز میں بھی ہے۔ بلکہ ہم تو کہیں گے کہ

ہمیں تحقیق کی ضرورت اسلامی علوم میں بھی ہے۔

۳۔سیاسی عدم استحکام

حضرت حسین ابن علیؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے بعد جمہور امت نے سیاسی آمریت کو برداشت کرنے کی روش اپنالی۔اس سے مسلم معاشرے کو ہمہ جہتی نقصان پہنچا، تاہم اس کا سیاسی نقصان یہ ہوا کہ مسلم معاشرے میں شورائیت (جمہوریت) پروان نہ چڑھ سکی اور آمریت اور جبر کی وجہ سے حکمرانوں اور عوام میں فاصلے پیدا ہو گئے اور یہ چیز بالآخر سیاسی عدم استحکام پر منتج ہوئی۔اس وقت مسلم ممالک کی اکثریت کا یہ حال ہے کہ وہاں شورائیت نہیں ہے اور حکمران مسلم عوام کی مرضی سے برسر اقتدار آتے ہیں اور نہ مرضی سے جاتے ہیں۔چونکہ ان کا منبع اقتدار مسلم عوام نہیں ہوتے لہذا انہیں عوام کے مفادات اور خواہشات کی پرواہ بھی نہیں ہوتی۔مسلمان ممالک کا یہی سیاسی عدم استحکام ان کی اکثر بیماریوں کی جڑ ہے اور جب تک وہ اس کا حل تلاش نہیں کریں گے ترقی اور عظمت تو رہی ایک طرف کی بقاء ہی خطرے میں رہے گی۔

۴۔کمزور ابلاغ

دوسرے شعبہ ہائے زندگی کی طرح اس شعبے میں بھی مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ مغرب کی پیروی کر لینے ہی کو کمال فن سمجھتے ہیں۔انہی کی ابلاغی حکمت علی کی نقل کرتے ہیں، انہی کی کلچرل پالیسی ہر کہیں اپنائی جارہی ہے۔اسلام، اسلامی اقدار، اسلامی اہداف اور مسلمانوں کی ترقی اور ان کے مصالح کا کسی کو احساس ہی نہیں۔مسلم دشمن ممالک میڈیا کے زور پر دنیا کے سامنے جس جھوٹ کو چاہیں باور کرا دیتے ہیں اور ہم آنکھیں پھاڑے دیکھتے رہ جاتے ہیں۔یہ امریکی و یہودی پروپگنڈے کا کمال ہے کہ مسلمان آزادی کا حق مانگیں تو وہ دہشت گرد کہلاتے ہیں۔اسرائیل نہتے فلسطینیوں کو ذبح کر دے تو وہ بیچارا مظلوم ہے، اسامہ بن لادن امریکی ایجنڈے کا ساتھ دے تو وہ

حریت پسند اور مجاہد ہے اور اگر امریکہ کی مخالفت کرے تو وہ دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد ہے اور پورے امریکہ کو اس سے خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔اس وقت دنیا میں ۵۷ آزاد مسلم ممالک ہیں کسی ایک کے پاس ایسی طاقت ور ابلاغی مشینری نہیں ہے کہ وہ مغرب کا مقابلہ کر سکے۔کسی میں اتنی ہمت نہیں کہ ان کے جھوٹ کو جھوٹ کہہ سکے یا ثابت کر سکے یا ان کے جھوٹے پروپگنڈے کا توڑ کر سکے۔کفار اپنے کفر کو اس خوبصورت طریقے سے پیش کر رہے ہیں کہ ایک عالم اس سے مسحور ہے۔ہم اپنے حق کو اس طریقے سے پیش نہیں کر سکتے کہ کوئی اس کا ایک جملہ سننے پر آمادہ ہو جائے۔

مادی وسائل کا خاتمہ

ا۔سائنس وٹیکنالوجی

سائنس وٹیکنالوجی میں مسلمان بہت پیچھے ہیں،اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ہاں تعلیم کم ہے۔جو ہے،اس کا کوئی معیار نہیں،عمدہ تجربہ گاہیں موجود نہیں۔سائنسی ترقی پر خرچ کرنے کیلئے بجٹ نہیں،سائنسی ترقی کے لئے اسلامی ممالک کی تنظیم کامسٹیک کا اجلاس ستمبر ۲۰۰۱ء میں اسلام آباد میں ہوا،جس میں سارے مسلم ممالک نے مل کر آئندہ مالی سال کے لئے سات ملین ڈالر کا بجٹ بنایا (بحوالہ اردو سائنس میگزین اپریل تا جون ۲۰۰۲ء)۔یہ بجٹ شرمناک ہے،اگر یہ سات ہزار بلین ڈالر ہوتا تو بھی کم تھا لیکن سات ملین ڈالر یہ تو اونٹ کے منہ میں زیرہ بھی نہیں۔اس پر بھی اگر ہم کہیں کہ ہم سائنس وٹیکنالوجی میں ترقی کرنا چاہتے ہیں تو پھر لوگ ہم پر ہنسیں نہیں تو اور کیا کریں؟۔

ہماری کیفیت یہ ہے کہ ہم محض مغربی ٹیکنالوجی کے مستقل خریدار اور استعمال کنندہ ہیں۔ہم اتنا بھی نہیں کر سکتے کہ نئی ٹیکنالوجی اس شرط پر درآمد کریں کہ اس کا کارخانہ ہمارے ہاں لگایا جائے تاکہ آئندہ وہ سامان ہم خود تیار کر سکیں۔

۲۔معاشی کمزوری

اس وقت حالت یہ ہے کہ اکثر وبیشتر مسلم حکمران فضول خرچ اور عیاش ہیں ،بیوروکریسی رشوت خور ہے،حکمرانوں نے یہودیوں اور امریکیوں سے قرضے لینے اور انہیں عوامی مفاد میں خرچ کرنے کے بجائے اپنے اللّلے تللّوں پر خرچ کر دیا اور قوم مقروض ہوکررہ گئی ،وہ قوم جس کا پیغمبر بھیجا ہی اخلاق کی تکمیل کے لئے گیا تھا اور جو اعلیٰ ترین اخلاق کا نمونہ تھا اس کے نام لیواؤں کا اب یہ عالم ہے کہ وہ دنیا بھر میں کرپشن میں اول نمبر پر رہتے ہیں ،انا للہ وانا الیہ راجعون ،مسلمان کے ہاں حلال وحرام کی تمیز مٹ گئی ،اس نے سود کو اپنا لیا ،محنت کے بجائے ناجائز ذرائع سے راتوں رات امیر بننے کی خواہش ہر نوجوان کے دل میں ہے ،۔حکمرانوں نے کبھی خود انحصاری اور اپنے وسائل کے اندرہ کر منصوبہ بندی کی کوشش ہی نہیں کی ۔اکثر مسلمان ممالک کے وزرائے خزانہ آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کے نمائندے اور امریکی ایجنٹ ہیں ،وہ اپنے مالکان کا حق نمک ادا کرتے ہیں ۔مسلمان امت کا کیا حشر ہوتا ہے انہیں اس سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ۔ان ساب باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان عوام بھوکے مر رہے ہیں ،نان جویں کے محتاج ہیں ،مہنگائی اور بے روزگاری عام ہے ،جب افریقی مسلم ممالک میں قحط کی خبریں چھپتی ہیں اور بھوکے سے مرتے ،ہڈیوں کے ڈھانچے بنے نحیف ونزار بچوں کی تصویریں میڈیا میں چھپتی ہیں اور مغربی ممالک میں ان کی امداد کی اپیلیں شائع ہوتی ہیں تو غیرت سے ڈوب مرنے کو جی چاہتا ہے۔

۳۔حربی کمزوری

حربی برتری کا نتیجہ ہوتی ہے معاشی استحکام اور سائنس وٹیکنالوجی میں ترقی کا ۔جس قوم کو کھانے کو روٹی نہ ملے اس نے اسلحے کے کارخانے کہاں سے لگانے ہیں ؟اور جس قوم میں تعلیم عام ہو، نہ تحقیقی ادارے ہوں، وہ سائنس اور ٹیکنالوجی میں کیا

خاک ترقی کرے گی۔ حالت یہ ہے کہ روایتی ہتھیار بھی تعلیم و تحقیق اور فنی مہارت کے بغیر نہیں بنائے جاسکتے۔ چہ جائیکہ بیلسٹک میزائل اور ایٹمی وار ہیڈ جن کے لئے انتہائی اعلیٰ کمپیوٹر اور الیکٹرانک ٹیکنالوجی کی ضرورت پڑتی ہے۔ چنانچہ مسلم ممالک کی اس وقت حالت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی اسلحے میں خود کفیل نہیں اور انہیں مہنگے داموں اسلحہ ترقی یافتہ قوموں امریکہ، یورپ روس وغیرہ سے حاصل کرنا پڑتا ہے اور وہ بھی فارن کرنسی میں، اور یہ قومیں جو اندر سے مسلم ممالک کی خیر خواہ نہیں، انہیں اپنی مرضی کا اسلحہ منہ مانگی قیمت پر دیتی ہیں اور جب چاہتی ہیں پرزوں کی سپلائی روک کر اس اسلحے کو بھی ناکارہ بنا دیتی ہیں اور اس اسلحے کے چلانے کی تربیت کے نام پر خریدار ممالک کو مالی طور پر مزید زیر بار کرتی ہیں۔ عراق اور افغانستان جیسی جنگوں میں وہ اپنا نیا اسلحہ ٹیسٹ کرتی ہیں اور مسلمان ممالک کے درمیان یا ان کے ہمسایوں کے ساتھ ان کی لڑائی کروا کر اپنی اسلحہ فیکٹریاں چالو رکھتی ہیں اور اس طرح مسلمان ممالک ان سے اسلحہ خریدتے رہتے ہیں اور یوں مسلم ممالک کی بھاری رقوم ان ترقی یافتہ ممالک کے بنکوں میں پہنچتی رہتی ہیں۔

باب سوم

مسلم نشأۃ ثانیہ کے امکانات

فصل اول: مسلم امہ کی تصویر کے دو رخ

فصل دوم: مسلم تہذیب میں تجدید حیات کی منفرد خصوصیت

فصل سوم: کمیونزم کی شکست

فصل چہارم: مغرب کا ظلم و ستم

(تمہید)

مسلم نشأۃ ثانیہ کے امکانات

پچھلی فصلوں میں ہم نے یہ دیکھا کہ مسلمان گو اس وقت زوال کا شکار ہیں لیکن ان کے اصول حیات صحیح اور صالح ہیں اور ان کے پاس محفوظ ہیں لہذا اگر وہ ان اصولوں پر سچ مچ عمل کرنے لگیں تو ان کے دوبارہ غالب آنے کے سو فیصد امکانات موجود ہیں۔ لیکن اکثر ایسے لوگوں کو جو قنوطی ہیں، حالات کے دباؤ کا شکار ہیں یا جن کی نظر صرف حال پر ہوتی ہے اور جنہوں نے قوموں کے عروج وزوال کے قرآنی فیصلے پر کبھی غور نہیں کیا، انہیں مسلمانوں کے زوال سے نکلنے اور دوبارہ غالب آنے کے امکانات کہیں نظر نہیں آتے۔ ایسے لوگوں کو ہم نے عملی دنیا میں مسلم امہ کے غلبے کے امکانات دکھانے کے لئے اس فصل میں چار عنوانات سے بحث کی ہے۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کے حالات خراب ضرور ہیں لیکن اتنے بھی خراب نہیں کہ آدمی بالکل مایوس ہو جائے کہ اس مرد بیمار کے سنبھلنے کے کوئی امکانات نہیں، دوسرے ہم نے یہ دکھایا ہے کہ متعدد وجوہ کی بناء پر مسلم تہذیب میں یہ منفرد خصوصیت موجود ہے کہ وہ انتہائی ضعف اور کمزوری کی حالت سے نکل کر دوبارہ تندرست وتوانا ہو سکتی ہے، تیسرے یہ کہ کمیونزم کے زوال کے بعد دنیا ایک نظریاتی خلا میں مبتلا ہے اسے ایک عادلانہ ورلڈ آرڈر کی ضرورت ہے اور یہ ورلڈ آرڈر مغرب کی لادینی تہذیب اسے نہیں دے سکتی لہذا اس خلاء کو اسلامی تہذیب با آسانی پر سکتی ہے اور چوتھے یہ کہ مغرب اپنی طاقت کے زعم میں جو ظلم وستم مسلم اقوام پر ڈھا رہا ہے اس کے نتیجے میں مسلم دنیا میں بالآخر جو ردعمل پیدا ہوگا وہی مغرب کے ظلم وستم کو بہالے جائے گا اور اس طرح گویا خود مغرب ہی مسلمانوں کی نشأۃ ثانیہ کا سبب بنے گا، اب ان چار نکات کو ہم چار مباحث کی صورت میں اختصار کے ساتھ بیان کریں گے۔

فصل اول

مسلم امہ...... تصویر کے کچھ روشن پہلو

زبوں حالی کی شکار امت

مسلم امہ بلا شبہ اس وقت ہر لحاظ سے زبوں حالی کا شکار ہے۔ نظریاتی طور پر دیکھئے تو یہ اپنے نظریۂ حیات سے وابستہ نہیں بلکہ ذہنی افلاس کا شکار ہے، دوسرے نظریات سے مرعوب اور ان پر عمل کی خواہاں ہے، سیاسی لحاظ سے دیکھئے تو بظاہر آزادی حاصل کر لینے کے باوجود یہ اپنے فیصلے خود نہیں کر سکتی بلکہ اس کے فیصلے واشنگٹن لندن اور پیرس میں ہوتے ہیں، اس کے اکثر حکمران مغرب کے گماشتے ہیں، معیشت کے لحاظ سے اکثر مسلمان ممالک بین الاقوامی یہودی اور مغربی معاشی اداروں اور حکومتوں کے مقروض ہیں اور اپنی معیشت کے بارے میں خود فیصلے نہیں کر سکتے۔ جو مسلمان ممالک امیر ہیں ان کی اصل دولت مغربی بینکوں میں پڑی ہے اور مغربی ممالک کے کام آ رہی ہے جب کہ بہت سے غریب مسلم ممالک کے عوام جو نان جویں کو ترس رہے ہیں، خط غربت سے نیچے زندگی بسر کرنے والے مسلمانوں کی تعداد ۴۵ کروڑ سے بھی زیادہ ہے۔ جو کل مسلم آبادی کی ایک تہائی سے بھی زیادہ ہے، دفاعی لحاظ سے دیکھئے تو اسلامی دنیا اسلحے میں خود کفیل نہیں بلکہ مغرب کی محتاج ہے۔ مسلم ممالک کے درمیان کوئی دفاعی معاہدہ نہیں اور طاقتور مغربی ممالک جب چاہتے ہیں مسلمان ممالک کو نرم چارے کی طرح کھا جاتے ہیں۔ صنعت و حرفت کا یہ حال ہے کہ کوئی مسلمان ملک بھاری مشینری یا الیکٹرانک مصنوعات نہیں بنا سکتا، یہ سب ترقی یافتہ ممالک سے درآمد کرنی پڑتی ہیں، سارے مسلم ممالک کی مجموعی قومی پیداوار دنیا کے مجموعی قومی پیدار کا محض ۴ فیصد ہے، تعلیم کا یہ حال ہے کہ اکثر

مسلم ممالک میں شرح تعلیم تیس چالیس فیصد سے زیادہ نہیں۔ تربیت کا کہیں اہتمام ہی نہیں، اخلاقی ابتری کا یہ حال ہے کرپٹ ترین ممالک میں ہمیشہ اسلامی ملکوں کا نام سر فہرست ہوتا ہے، ہم اسلام کے نام لیوا رشوت، فراڈ، دھوکہ دہی، اقربا پروری، بد دیانتی میں سب سے آگے ہیں۔ ہماری سماجی حالت یہ ہے کہ ہم کافروں جیسا بننا چاہتے ہیں۔ ان جیسا لباس پہن کر اتراتے ہیں، تمدن وثقافت میں غیروں اور دشمنوں کی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری گلیاں گندی، شہر گنجان اور دیہات ویران ہیں۔ زراعت میں مسلم دنیا خود کفیل نہیں اور پیٹ بھرنے جیسی بنیادی ترین ضرورت کو پورا کرنے کے لئے بھی ترقی یافتہ ممالک کی محتاج ہے۔ مسلمان ممالک کے نزدیک سائنس وٹیکنالوجی کی یہ اہمیت ہے کہ یہ اپنی قومی مجموعی آمدنی کا صرف 0.5 فیصد سائنس وٹیکنالوجی پر صرف کرتے ہیں دنیا کے ۵ء۷ فیصد کے الگ بھگ معدنی وسائل کی مالک اسلامی دنیا مفلوک الحالی کا شکار ہے، اس پر ۷۰۰ ارب ڈالر سے زیادہ کے قرضے ہیں۔ تمام مسلم ممالک کی مجموعی قومی پیدا وار تقریباً ۱۲ ہزار ارب ڈالر سالانہ ہے، جب کہ فرانس کی قومی پیداوار ۱۵ ہزار ارب ڈالر، جرمنی کی ۲۴ ہزار ارب ڈالر اور جاپان کی ۵۵ ہزار ارب ڈالر سالانہ ہے۔ صرف ان تین ممالک کا مجموعی جی ڈی پی تقریباً آٹھ گنا زیادہ ہے۔ انڈونیشیا سے مراکش تک پھیلے اسلامی ممالک کی آبادی دنیا بھر کی آبادی کا تقریباً چوتھا حصہ ہے۔ عالم اسلام لگ بھگ تین کروڑ مربع کلومیٹر رقبے پر محیط ہے۔ صرف پانچ اسلامی ممالک سعودی عرب، عراق، متحدہ امارات، کویت اور ایران کے دریافت شدہ تیل کے ذخائر ۳ء۶۵۸ بلین بیرل ہیں لیکن دنیا کی برآمدات میں ہمارا حصہ صرف ۵ء۷ فیصد ہے۔ عالمی معیشت میں ہمارا حصہ ۵ فیصد سے بھی کم ہے، اتحاد و یک جہتی کا عالم یہ ہے کہ مسلم ممالک کے باہمی تجارت ان کی مجموعی تجارت کا صرف ۱۰ فیصد ہے، گویا ۹۰ فیصد تجارت پر اغیار قابض ہیں۔

مسلم ممالک میں سائنس اور ٹیکنالوجی سے بہرہ ور افراد کی تعداد مایوس کن ہے۔ جہاں تک ریسرچ اور ڈویلپمنٹ کا تعلق ہے اس شعبے میں مسلم ممالک کی حالت ناگفتہ

بہ ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے بڑے رسالوں میں مسلم ممالک کے لکھنے والے ماہرین کا حصہ صرف ایک فیصد ہے، دنیا میں ہر سال سائنس پر تقریباً ایک لاکھ کتب چھپتی ہیں، ان میں سے ایک بھی مسلم ممالک میں نہیں لکھی جاتی، پورے عالم اسلام میں یونیورسٹیوں سمیت اعلیٰ تعلیمی ادارے تقریباً ایک ہزار ہیں، بیشتر یونیورسٹیوں میں اعلیٰ سماجی تعلیم اور سائنس و ٹیکنالوجی پڑھانے اور سکھانے کی سہولتیں ناقص ہیں۔ خیال رہے کہ صرف ایک ترقی یافتہ ملک جاپان میں ایک ہزار سے زیادہ اعلیٰ پائے کی یونیورسٹیاں ہیں۔

تصویر کا دوسرا رخ:

غرض یہ کہ جس پہلو سے بھی دیکھئے مسلم امت زبوں حالی کا شکار ہے اور یہ وہ حقائق ہیں جو ہمارا منہ چڑاتے ہیں اور تلخ ہیں لیکن ان کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

یہ جو کچھ ہم نے عرض کیا اس سے انکار ممکن نہیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ محض تصویر کا ایک رخ ہے جو سیاہ ہی سیاہ نظر آتا ہے، آیئے تصویر کا دوسرا رخ دیکھیں جو ممکن ہے اتنا سیاہ نہ ہو۔

آج سے کم و بیش نصف صدی پیشتر اکثر مسلمان ممالک غلام تھے، استعمار کے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے، آج وہ آزاد ہیں۔ مغربی استعمار نے ترکی کو شکست دے کر ۱۹۲۴ء میں مسلمانوں کی مرکزیت (خلافت) کا خاتمہ کر دیا تو ۱۹۴۹ء میں موتمر عالم اسلامی کے ذریعہ عالم اسلام کو متحد کرنے کی کوشش ہوئی۔ ۱۹۶۲ء میں رابطہ عالم اسلامی قائم کی گئی اور پھر ۱۹۶۹ء میں سارے مسلمان ممالک نے سرکاری سطح پر اسلامی کانفرنس تنظیم (OIC) کے پلیٹ فارم پر جمع ہو کر امت کے اجتماعی مسائل پر آواز اٹھائی۔ اس ادبار کے دور میں دین کے سیاسی غلبے کے لئے امام حسن البناء نے ۱۹۳۸ء میں الاخوان المسلمون قائم کی جو دیکھتے دیکھتے اکثر عرب ممالک میں پھیل گئی۔ برصغیر میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ۱۹۴۱ میں جماعت اسلامی قائم کی اور اس وقت کئی مسلم ممالک میں اس نام سے جماعتیں قائم ہیں اور ان کی جدوجہد کے اثرات سارے عالم اسلام میں

محسوس کیئے جا رہے ہیں۔۱۹۶۲ء میں برصغیر ہی سے مسلمانوں کو دین کے قریب لانے کے لئے تبلیغی جماعت کے لوگ متحرک ہوتے ہیں۔انڈونیشیا میں دینی تحریک نہضۃ العلماء کے ارکان کی تعداد تین کروڑ ہے۔غرض آپ جس مسلمان ملک میں بھی جائیں، وہاں آپ کو ایسی تحریکیں، تنظیمیں ادارے اور افراد ملیں گے جو لوگوں کو دین کے قریب لانے کیلئے جدوجہد کر رہے ہیں، ایسی تنظیمیں اور ادارے بھی ہیں جو غیر مسلموں تک دین پہنچا رہے ہیں، امریکہ فرانس برطانیہ اور بہت سے دوسرے مغربی ممالک میں مسلمان دوسری بڑی قوم بن چکے ہیں اور وہاں قبول اسلام کی رفتار اتنی تیز ہے کہ اسلام دشمن حلقے اس پر پریشان ہیں جن کا اظہار عالمی جرائد اور نشریاتی اداروں کی رپورٹوں سے ہوتا ہے۔

مسلمانوں کی تعداد اس وقت ڈیڑھ ارب سے زیادہ ہے، گویا دنیا کا ہر چوتھا فرد مسلمان ہے اور مسلمانوں کی آبادی میں اس تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے کہ عالم کفر پریشان ہے۔۵۷ ممالک اسلامی کانفرنس تنظیم کے رکن ہیں۔

اب ذرا مسلم دنیا کی اسٹریٹجک لوکیشن کا اندازہ کیجئے، مسلم انڈونیشیا بحرالکاہل کے ساحل پر سنتری کی طرح کھڑا ہے، تو مسلم مراکش بحر متوسط کے ٹکڑے کا پہرے دار ہے اور آج اگر جبل الطارق مسلمانوں کے قبضے میں نہیں ہے تو اس کے مقابلے میں مراکش کا شہر طنجہ مسلمانوں کی اہم چوکی ہے، دنیا کا سب سے بڑا براعظم افریقہ مسلم اکثریت کا براعظم ہے، جہاں باسٹھ فیصد سے زیادہ آبادی مسلمانوں کی ہے، یونان، اٹلی اسپین اور فرانس سے قطع نظر کیجئے اور دیکھئے تو بحر متوسط (بحیرۂ روم) عالم اسلام کا گھریلو تالاب نظر آتا ہے، اس کا ۶۵ فیصد حصہ آج بھی مسلمانوں کے قبضے میں ہے، نہر سویز اور بحر قلزم کی مشہور آبی شاہراہیں بھی مسلمانوں کی ہیں اور وہ خلیج فارس بھی جس پر ایک مدت سے بڑی طاقتوں کی حریصانہ نظریں لگی ہوئی ہیں، مسلمانوں ہی کی ہے اور باب المندب بھی مسلمانوں ہی کا ہے اور درۂ دانیال اور باسفورس پر ترکی بیٹھا ہوا ہے۔مشرق میں آتے

ہوئے دیکھئے، انڈونیشیا اور ملائیشا کا محل وقوع ایسا ہے کہ جس کسی کو بھی گزرنا ہے انہیں دونوں کے بیچ سے گزرنا ہے، پھر آبنائے ملاکا بھی مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے اور جزائر مالدیپ بھی۔ اسی طرح مشرق و مغرب کے درمیان بحرعرب کے ساحل پر پاکستان کھڑا ہے اور خلیج بنگال میں بنگلہ دیش۔

اس خطے کی سیاسی، جغرافیائی اور عسکری اہمیت کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ چار براعظموں یعنی امریکا کو چھوڑ کر ایشیا، افریقہ، یورپ اور آسٹریلیا کے بری بحری فضائی راستوں کا باہمی رابطہ اس خطے سے گزرے بغیر ناممکن نہیں۔ افریقہ اور ایشیا کے سمندر اور بحیرہ روم کی تنگ پٹیاں جو بین الاقوامی تجارت کے لئے شہ رگ کی حیثیت رکھتی ہیں وہ عالم اسلام میں واقع ہیں، عالم اسلام کو اس شہ رگ کو دبانے اور بند کرنے کی طاقت بھی حاصل ہے اور اگر ایسا چاہے تو بین الاقوامی اقتصادی زندگی کو مفلوج کر کے رکھ سکتا ہے۔

مسلم ممالک کی دفاعی افواج کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ نیٹو اور وارسا پیکٹ کی مشترکہ فوجوں سے بھی زیادہ ہے، صرف پاکستان کو ہی دیکھئے جو ایٹمی ملک بھی ہے اور روایتی اسلحہ برآمد بھی کر رہا ہے، کئی دوسرے مسلم ملک ایٹمی قوت بننے کے قریب ہیں، یہ صحیح ہے کہ مسلمان ممالک اسلحے کی برتری میں اپنے حریفوں سے بہت پیچھے ہیں لیکن یہ بھی تو دیکھئے کہ اس کمزوری کے باوجود انہوں نے اپنے جذبۂ جہاد سے جارح قوتوں کے دانت کھٹے کئے ہیں۔ فلسطین، چیچنیا، بوسنیا اور فلپائن میں مسلمانوں نے جو مزاحمتی جدوجہد کی ہے اور کر رہے ہیں وہ خود تاریخی حیثیت کی حامل ہے، افغانستان اور عراق کو دشمن نے پچھاڑ دیا لیکن وہاں گوریلا جنگ جاری ہے اور ان شاء اللہ ایک دن کامیاب ہو کر رہے گی۔ غرض دنیا میں جہاں بھی مسلمانوں کے خلاف کوئی ظلم و زیادتی ہوتی ہے اب اسے برداشت نہیں کیا جاتا بلکہ کمزوری کے باوجود اسے چیلنج کیا جاتا ہے۔

زرعی اور معدنی دولت بھی مسلم دنیا کو بدرجہ اتم ودیعت ہوئی ہے، دنیا کی کل پیداوار میں مسلم دنیا کی پیداوار کا تناسب ملاحظہ ہو: پٹ سن ۹۰ فیصد، قدرتی ربڑ ۷۰ فیصد،

عربی گوند ۸۵ فیصد، مسالے ۹۷ فیصد، کھجور کا تیل ۶۵ فیصد، کپاس ۳۵ فیصد، معدنیات ۵۱ فیصد اور فاسفیٹ ۳۲ فیصد، یہ بالکل اجارہ داری کی سی صورت ہے، اس کے علاوہ کچا لوہا، قدرتی گیس، تانبا، ایلومینیم، کوئلہ، باکسائیٹ، مینگا نیز، کرومائٹ، یورینیم، سونا، چاندی اور کوبالٹ میں بھی اسلامی ممالک ثروت منداور زرخیز ہیں، پٹرول اور تیل کے ضمن میں بھی مسلم دنیا کو ایک طرح کی اجارہ داری حاصل ہے، صرف مشرق وسطیٰ میں دنیا کی کل پیداوار کا ۴۰ فیصد تیل نکلتا ہے۔

سطور بالا سے ظاہر ہے کہ مسلم امہ کی حالت اتنی بھی تشویشناک نہیں جتنی بعض قنوطی حضرات سمجھتے ہیں اور دوسروں کو سمجھاتے ہیں، بلاشبہ ابھی منزل دور اور کٹھن ہے اور مشکلات بہت ہیں لیکن بہر حال امت آگے ہی بڑھ رہی ہے پیچھے نہیں جا رہی اور ایسی بھی مایوسی کی بات نہیں کہ آدمی دل ہار بیٹھے۔

پھر اپنے ماضی قریب کا حال سے تقابل کر لیجئے۔ میزان میں تول لیجئے، اعداد و شمار جمع کر لیجئے، کل آپ غلام تھے آج آزاد ہیں، ۵۷ ممالک تقریبا ڈیڑھ ارب کی آبادی، بہترین اسٹریٹیجک لوکیشن، سمندروں تک رسائی، زرخیز میدان، بلند و بالا پہاڑ، صحرا اور جنگل، معدنیات کے ذخائر ہر قسم کی صنعتوں کے لئے خام مال کی فراہمی، زرعی اجناس بفراغت، بہترین افرادی قوت موجود، آپ کو کس چیز کی کمی ہے؟ مایوس ہونے کا کیا جواز ہے؟ اللہ اکبر اللہ! ہر نعمت موجود ہے، البتہ یہ اس کی سنت نہیں ہے کہ یہ چیزیں اڑ کر ہمارے منہ میں پہنچ جائیں، کھانے کی مشقت تو ہمیں کرنی ہی پڑے گی۔

پھر اس وقت لاکھوں افراد اور سیکڑوں جماعتیں، تنظیمیں اور ادارے مسلمانوں کو دین سے وابستہ رکھنے میں کوشاں ہیں۔ دین کے سیاسی غلبے کے لئے مسلم ممالک میں بیسیوں تحریکیں کام کر رہی ہیں، غیر مسلموں میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کا کام بھی خاصا ہو رہا ہے، اتحاد امت کے لئے بین الملی تحریکیں کام کر رہی ہیں اور اسلام دشمن قوتوں کے شر سے بچنے اور ان کے مقابلے کی کوششیں بھی ہو رہی ہیں، ان ساری جہات

میں جو کام ہو رہا ہے وہ بلا شبہ اتنا منظم مربوط، موثر اور نتیجہ خیز نہیں، جتنا ہونا چاہئے، لیکن اس کے باوجود امت کا اجتماعی شعور غلبۂ امت کی ان جہات پر امت کے مثبت عناصر کو متحرک رکھے ہوئے ہے اور بلا شبہ ان کوششوں کے مثبت اثرات بھی موجود ہیں۔

باقی رہی یہ بات کہ جب افغانستان یا فلسطین میں ظلم ہوتا ہے اور ہم اللہ سے گڑ گڑا کر دعائیں مانگتے ہیں کہ اے اللہ! ان کی مصیبت ٹل جائے تو وہ کیوں نہیں ٹلتی؟ تو یاد رکھیئے کہ دعاؤں کی قبولیت کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کی ایک سنت ہے اس پر غور کرنا چاہئے، ویسے یہ بتائیے کہ حکیم جب آپ کو کڑوی دوا پینے کے لئے دیتا ہے تو کیا وہ ظلم کرتا ہے؟ مالی جب شاخوں کی کانٹ چھانٹ کرتا اور کچھ کو کاٹ کر نیچے پھینک دیتا ہے (تازہ سائنسی انکشاف یہ ہے کہ درخت بھی جاندار ہوتے ہیں) تو کیا وہ زیادتی کرتا ہے؟ جب بچہ بازار کے ہر کھلونے کے خریدنے کی ضد کر کے روتا ہے اور ماں خرید کر نہیں دیتی تو کیا وہ ظلم کرتی ہے؟

اس میں شک نہیں کہ اس وقت ہم مسلمانوں کے لئے حالات نا مساعد ہیں، نفاق انتشار، افلاس اور جہالت ہمارے پاؤں کی بیڑیاں بنے ہوئے ہیں۔ مغربی فکر و تہذیب کے غلبے نے نوجوانوں اور حکمرانوں کے دل و دماغ کو مفتوح کر رکھا ہے، ہمارے اجتماعی اداروں میں دشمن کے ایجنٹوں کی بھر مار ہے اور حالات اتنے حوصلہ شکن ہیں کہ بظاہر ہم بند گلی میں کھڑے ہیں، لیکن یہ مایوسی کا مقام نہیں، بلکہ اسی میں تو ہماری بیدار مغزی کا امتحان ہے کہ ہم اس بند گلی سے نکلنے کا راستہ تلاش کر پاتے ہیں یا نہیں؟ اللہ نے کوئی ایسی بیماری پیدا نہیں کی جس کا علاج نہ ہو۔ کوئی ایسی مشکل پیدا نہیں کی جس کا حل نہ ہو، کیونکہ اس کا وعدہ ہے ''لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا'' (البقرہ:۲۸۶) لہذا ہمیں اپنی مشکل کا حل ڈھونڈنا ہے اور اپنی بیماری کی دوا ایجاد کرنا ہے۔

آخر میں ہم ایک بار پھر یہ بات دہرائیں گے کہ مسلمان، جب تک اسے اپنے مسلمان ہونے کا یقین و ادارک ہو، مایوس نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اپنے خدا سے مایوس نہیں

ہوسکتا......وہ خدا جو ارض وسماء کا خالق ہے جو بحر و بر کا مالک ہے، جس کے سامنے زمین وآسمان ہاتھ باندھے کھڑے ہیں کہ کب کن کا حکم ہو تو وہ اسے بجالائیں۔ایسے خالق ومالک کا ماننے والا کب مایوس ہوسکتا ہے؟ ہمیں یقین ہے......اتنا ہی پختہ یقین جتنا اس بات کا کہ اس وقت ہم یہ تحریر لکھ رہے ہیں......کہ مسلمانوں کا مستقبل روشن اور تابناک ہے۔یہ محض دیوانے کی بڑ نہیں بلکہ سارے Indicators اسی طرف اشارے کررہے ہیں کہ سحر طلوع ہونے کو ہے،رات کی تاریکی چھٹنے کو ہے اور یہ باطل اندھیروں کے مقدر میں ہے کہ وہ چھٹ کر رہیں،سچ فرمایا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اور اس سے بڑھ کر سچی بات کس کی ہوسکتی ہے۔

’حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔بے شک باطل ہے ہی مٹنے والی چیز
(بنی اسرائیل:۸۱)

ان شاء اللہ وہ وقت دور نہیں جب:

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

فصل دوم

مسلم تہذیب میں تجدید حیات کی منفرد خصوصیت

ہم پہلے باب میں قوموں کے عروج وزوال کے بارے میں اللہ کی سنت کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں کہ اگر کسی تہذیب اور قوم کا نظریہ حیات صحیح ہو اور وہ اس کے پاس محفوظ وموجود ہو اور وہ اس لئے روبہ زوال ہو کہ وہ اس نظریۂ سے وابستگی میں کمزور ہوگئی ہے اور اس کے نتیجہ میں اس کے اندر اسباب دنیا مہیا کرنے کی صلاحیت بھی مضمحل ہوگئی ہے تو ایسی تہذیب اور قوم دوبارہ عروج حاصل کر سکتی ہے بشرطیکہ وہ دوبارہ اس صحیح نظریے سے اس طرح وابستہ ہو جائے جیسا کہ اس کا حق ہے کیونکہ اس وابستگی کے نتیجے میں اس کے اندر اسباب دنیا مہیا کرنے کی صلاحیت دوبارہ قوت سے ابھر آئے گی اور اس کے دوبارہ عروج حاصل کرنے میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہے گی۔ آیئے دیکھیں کہ کیا اس اصول کا اطلاق مسلم تہذیب اور ملت پر ہو سکتا ہے۔؟

اس کائنات اور اس میں انسان کے کردار کے حوالے سے ہم مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان اور کائنات کو ایک خالق (اللہ) نے پیدا کیا ہے اور وہی اس کائنات کو چلا رہا ہے لہذا انسان کے لئے صحیح سیدھا اور فطری راستہ یہی ہے کہ وہ اس کائنات میں زندگی اس طرح گزارے جس طرح اس کا خالق چاہتا ہے انسان کا زمین میں اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنا ہی اسلام ہے اور اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر ابتدائے آفرینش سے انسان کو اسلام کی ہی تلقین کرتے آئے ہیں۔

خالق کائنات نے اعلان کر دیا کہ یہ جو پیغمبر میں نے بھیجا ہے یہ آخری ہے اورا سکے بعد میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجوں گا (الاحزاب: ۴۰) اور جو شریعت (زندگی گزارنے کے

اصولوں کی تنظیم) میں نے اس پیغمبر کے ذریعے بھیجی ہے وہ بھی آخری ہے اور اب اس کے بعد میں کوئی نئی شریعت نہیں بھیجوں گا (آل عمران: ٨٥) کہ اب اس کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے زمین پر انسان کی باقی ماندہ مدت کی زندگی میں سامان ہدایت کی بقاء کے لئے تین انتظامات کئے۔

١۔ اس نے انسانی ہدایت کے لئے بھیجی گئی کتاب (القرآن الحکیم) کے متن کی حفاظت کا خود ذمہ لیا (الحجر: ٩)

٢۔ اللہ نے مسلمانوں کو زندگی گزارنے کا جو ڈھانچہ دیا (یعنی شریعت) اسے لچکدار رکھا تاکہ اس کے اصول وقوانین زمان ومکان اور حالات کی تبدیلی سے پیدا ہونے والے چیلنجوں کا سامنا کرسکیں۔ یوں شارع سبحانہ وتعالیٰ نے بیک وقت جہاں ضرورت تھی وہاں قوانین کو ناقابل تغیر اور جہاں ضرورت تھی وہاں انہیں قابل تغیر قرار دے کر آخری شریعت کو اس قابل کردیا کہ وہ قیامت تک کے لئے ہر معاشرے میں اور ہر زمانے اور ہر ماحول میں قابل عمل رہے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ اب نیا پیغمبر اور نئی شریعت تو نہیں آئے گی لیکن اب تمہاری ذمہ داری ہے کہ اس دین پر خود بھی قائم رہو اور اسے دوسروں تک پہنچاؤ۔ گویا دعوت وتبلیغ امر بالمعروف ونہی عن المنکر، شہادت حق اور اقامت دین امت مسلمہ پر واجب ہے۔ اس فریضے کو ادا کرنا نہ صرف اس دین کی دائمی حفاظت کی اللہ کی اسکیم کا منشا ہے بلکہ خود مسلمانوں کی اپنی بقاء واستحکام کا انحصار بھی اسی پر ہے کہ وہ خود اس دین پر قائم رہیں اور دوسروں کو اسے اپنانے پر آمادہ کریں۔

مندرجہ بالا مختصر بحث سے واضح ہے کہ مسلمانوں کا نظریۂ حیات صحیح ہے، صالح ہے، قابل عمل ہے اور فطری ہے کیونکہ وہ خالق کائنات کا عطا کردہ ہے، ہزاروں سالوں سے انسان کا آزمودہ ہے اور وہ مسلمانوں کے پاس محفوظ اور مامون موجود ہے، پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ خود اس پر عمل کر کے اس کے نتائج دیکھ چکے ہیں۔

فصل سوم

کمیونزم کی شکست اور مغرب کے بگاڑ سے پیدا ہونے والا خلاء

اس وقت تک جو بحث ہم نے قوموں اور تہذیبوں کے عروج وزوال کے حوالے سے کی ہے اس سے یہ واضح ہے کہ اگر کسی معاشرے کی اکثریت (یا ایسی موثر اقلیت جو اکثریت پر غالب آسکے) اللہ کی بندگی کے راستے پر اس طرح چلے جس طرح چلنے کا حق ہے تو وہ حتماً غالب آکر رہے گی۔ (کیونکہ اس طرح اس میں وہ خوبیاں خود بخود پیدا ہو جائیں گی جو زمین میں اسباب مہیا کرنے کیلئے ضروری ہیں) لیکن اگر تھوڑے لوگ اللہ کی بندگی کے راستے پر چلیں (اتنے تھوڑے کہ وہ اکثریت پر غالب نہ آسکیں) یا وہ اکثریت میں ہوں لیکن اللہ کی بندگی کے راستے پر یکسوئی اور وابستگی سے نہ چلیں بلکہ شیطان کی اور اپنے نفس کی پیروی کرنے کے نتیجے میں فسق وفجور یا نفاق میں مبتلا ہو جائیں تو وہ زمین میں عروج وغلبے کے اہل نہیں رہتے۔ بلکہ اس صورت میں دیگر اہل دنیا (خواہ وہ اللہ کے منکر ہی کیوں نہ ہوں) میں سے جو قوم اور تہذیب اسباب دنیا مہیا کرنے پر دوسروں سے زیادہ بہتر طور پر قادر ہو اسے اقتدار اور غلبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ ایسا اس لئے ہے کہ یہ زمین اور کائنات اللہ کی ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ یہاں ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ یہاں زندگی ممکن ہی نہ رہے اور یوں وہ اسکیم ہی ختم ہو کر رہ جائے جو اللہ کے پیش نظر ہے۔ اللہ کے پیش نظر اسکیم یہ ہے کہ زمین میں زندگی موجود اور رواں دواں رہے تاکہ لوگوں کو یہ موقع حاصل رہے کہ وہ اپنے اختیار سے یہ فیصلہ کر سکیں کہ وہ اللہ کو مانیں گے یا نہیں اور زندگی یہاں اللہ کی مرضی کے مطابق گزاریں گے یا

نہیں ! کیونکہ اگر زمین میں مستقل فتنہ وفساد پھیل جائے اور یہاں زندگی ممکن ہی نہ رہے تو اس کی امتحان گاہ کی پوزیشن بھی ختم ہو جائے گی، لہٰذا اللہ اس وقت تک جب تک اس نے اس زمین میں انسان کے ٹھہرنے کا فیصلہ کر رکھا ہے (یعنی یوم قیامت تک) یہی چاہتا ہے کہ اس دنیا کا نظام چلتا رہے تاکہ اس کی امتحان گاہ کی حیثیت قائم رہے۔

یہ جو باتیں ہم نے اوپر کہی ہیں قرآن میں مذکور ہیں، چنانچہ پہلے تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ **ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون** (الحج:۱۰۵) یعنی زمین میں اقتدار کے اصل حقدار تو اللہ کے صالح (یعنی نیک اور فرمانبردار) بندے ہی ہیں اور اگر صالح بندنہ ہوں یا وہ تھوڑے اور غیر موثر ہوتو پھر غیر صالحین میں سے جو بھی زمین کا نظام برقرار رکھنے میں دوسروں سے بہتر ہوں انہیں اقتدار دے دیا جاتا ہے چنانچہ فرمایا '**وتلک الایام نداولھا بین الناس**'۔ (آل عمران:۱۴۰) یعنی اس صورت میں ہم زمین میں غلبہ واقتدار کبھی کسی گروہ کو دیتے ہیں اور کبھی دوسرے کو۔

اس پس منظر میں دیکھئے جب تک مسلمان اللہ کے راستے پر یکسوئی سے چلتے رہے وہی غالب رہے، جب انہوں نے صالحیت (اللہ کی سچی فرمانبرداری) گنوادی تو پھر ان کا عروج بھی زوال میں بدلتا چلا گیا اور پھر یہ اقتدار اللہ نے اس گروہ کو دے دیا جو زمین میں اسباب زندگی مہیا کرنے پر دوسروں سے زیادہ بہتر طور پر قادر تھا، خواہ وہ صالح نہ بھی تھا، یوں دنیا کی قیادت مغربی قوموں کے حصے میں آ گئی۔ لیکن کمیونزم اور سوشلزم کے حامیوں نے جو نظام زندگی سرمایہ دارانہ نظام کے بالمقابل وضع کیا اس میں بھی اتنی خرابیاں تھیں کہ وہ فوراً ہی فساد فی الارض پر منتج ہونا شروع ہو گیا۔ یہ نظام ان بنیادی انسانی ضرورتوں کو پورا کرنے میں بھی ناکام ہو گیا جو کسی بھی نظام کی بقاء کے لئے ضروری ہیں ،مثلاً ہر انسان کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کھائے پیئے' شادی کرے ،گھر بنائے وغیرہ لیکن اس غیر فطری نظام نے انسان کو بھی مشین سمجھ لیا لاکھوں کروڑوں

لوگوں کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہوں پر پھینک دیا گیا۔ ہر آدمی نان جویں کے لئے ریاست کا محتاج ہو گیا، اس نے لاکھوں کروڑوں لوگوں کو تعذیب دے دے کر قتل کر دیا کیونکہ وہ اپنی مرضی اور خوشی سے اطاعت نہ کرنا چاہتے تھے۔ یہاں تک کہ اس سرزمین میں خدا کا نام لینا ناقابل معافی جرم ٹھہرا، نجی ملکیت کا نظام ختم کر دیا گیا، لوگ جنسی زندگی بھی حیوانوں کی طرح گزارنے لگے۔ غرض یہ نظام اتنا غیر فطری تھا کہ پون صدی بھی نہ نکال سکا اور اس کی عظیم الشان عمارت جو بظاہر بہت مضبوط نظر آتی تھی اچانک ریت کے گھروندے کی طرح بیٹھ گئی۔

دوسری طرف مغربی تہذیب تھی جو اگرچہ خود روبہ اضمحلال تھی اور اسے بھی فساد فی الارض کی دیمک لگ چکی تھی، لیکن قوموں کے اکھاڑے میں ابھی کوئی ایسا طاقتور حریف موجود نہیں جو ان کمزور پڑتی طاقت کو چیلنج کر سکے، مسلمان تو ابھی اپنی ذات کے گنبد میں بند ہیں وہ تو ابھی اپنی خودی کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں، چنانچہ اس وجہ سے کہ زمین میں اس وقت مغربی تہذیب سے بہتر کوئی متبادل عملاً موجود نہیں۔

ان حالات میں اہل مغرب کو موقع مل گیا ہے کہ وہ اکڑ کر یہ کہہ سکیں کہ ہمارا کوئی مدمقابل نہیں ہم سب سے بہترین ہیں۔ ہمارا کہا نیو ورلڈ آرڈر ہے۔ ہماری جمہوریت، ہماری معیشت، ہمارا نظام زندگی سب سے اعلیٰ و برتر اور مثالی ہے، لہذا سب کو اس کی پیروی کرنی چاہئے۔

ظاہر ہے کہ امریکہ و مغرب کا پیش کردہ نیو ورلڈ آرڈر منصفانہ نہیں ہے۔ کمیونزم کے زوال کے بعد سب سے بڑی تہذیب اور سب سے مضبوط نظریۂ حیات جو اہل مغرب کو خود چیلنج کرتا نظر آرہا ہے وہ اسلامی نظریۂ حیات اور مسلم تہذیب ہے اور یہ بات صحیح بھی ہے کیونکہ مغربی تہذیب کا اسلام اور مسلمانوں کے سوا سچ مچ کوئی متبادل نہیں۔ جاپان آج اقتصادی لحاظ سے امریکہ کے منہ آرہا ہے لیکن نظریاتی اور تہذیبی طور پر مغرب کے لئے کوئی چیلنج پیش نہیں کرتا کیونکہ اس کی کوئی متبادل اور مضبوط نظریاتی اساس

موجود نہیں ہے۔ یہی حال مستقبل میں چین کا ہوگا کہ وہ مادی طور پر ترقی کر سکتا ہے لیکن فکری اور نظریاتی طور پر مغرب کو فتح نہیں کر سکتا۔ لہذا سیموئیل ہنگٹن ٹھیک کہتا ہے کہ مستقبل میں مغربی تہذیب کی برتری کو چیلنج کرنے والی سب سے بڑی ممکنہ طاقت مسلم تہذیب ہی ہے۔ (Clash of Civilization and the Remarking of World Order by sameul Huntington)۔ اور صدر نکسن بھی ٹھیک کہتا ہے کہ ہمیں فوری طور پر اسلام سے کوئی خطرہ نہیں کیونکہ مسلمان اتنے منتشر اور باہم دست و گریباں ہیں کہ انہیں دشمن کی ہوش ہی نہیں (Victory Without War by Richard Nixon)، لیکن غلط ہم بھی نہیں کہتے جب ہم یہ کہتے ہیں کہ کمیونزم کا پیدا کردہ خلاء صرف مسلم تہذیب ہی پر سکتی ہے۔ مغرب کی تہذیب جن خرابیوں کی وجہ سے ڈول رہی ہے ان کا علاج صرف اسلام ہی کے پاس ہے لہذا صرف اسلام ہی متبادل ہے۔ یہ طاقت اسلامی نظریۂ حیات میں تو ہے، لیکن مسلمانوں میں ابھی پیدا نہیں ہوئی لیکن ہم کہتے ہیں کہ بہت جلد مسلمانوں میں یہ طاقت پیدا ہو جائے گی (ان شاء اللہ) اور اس کا سبب بھی مغرب ہی بنے گا جیسا کہ ہم اگلے مبحث میں بتلائیں گے۔

فصل چہارم

مغرب کا ظلم و ستم

تیسرے مبحث میں ہم نے بتایا کہ کمیونزم کے زوال کے بعد عالمی سطح پر ایک فکری وتہذیبی خلا پیدا ہو چکا ہے جسے مغربی تہذیب اس لئے پورا نہیں کرسکتی کہ اس میں بگاڑ (فساد فی الارض) انتہا کو پہنچ چکا ہے لہذا اس امر کے روشن امکانات موجود ہیں کہ اسلامی فکر اس خلا کو پر کر سکے کیونکہ اس کے اندر اس کی مکمل صلاحیت ہے، لیکن اسلامی فکر کے اس غلبے میں سب بڑی رکاوٹ مسلمان ہیں جن کے قول وفعل میں تضاد ہے اور جو اسلام سے حقیقی معنوں میں وابستہ نہیں ہیں۔ مسلمانوں کی اس کمزوری کو دور کرنے کے لئے مسلم معاشرے میں اصلاحی تحریکیں کام کر رہی ہیں لیکن ابھی ان کی قوت اتنی زیادہ نہیں کہ یہ پہاڑ آسانی سے سر ہو سکے، اس کا حل ایک ہی ہے کہ مسلم امت کی بے حسی کو توڑنے کے لئے اسے بجلی کے جھٹکے دیے جائیں وہ ایسی تکلیف دکھ اور ذلت سے دو چار ہو کہ اس کی بے حسی باقی نہ رہ سکے اور وہ خواب غفلت سے بیدار ہو جائے، چنانچہ اللہ ہم پر بڑا مہربان ہے اور اس نے اس کا انتظام کر دیا ہے اور وہ یہ انتظام یہ ہے کہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت امریکہ کے اندر ایسے حالات پیدا کر دئے ہیں (وہاں اس کے لئے موزوں قیادت برسر اقتدار لاکر اور یہودیوں کا نفوذ وہاں بڑھا کر) کہ وہ مسلم دنیا کو مٹانے اور برباد کرنے پر تل گیا ہے وہاں کی قیادت کو تکبر اور مسلم دشمنی میں مبتلا کر دیا ہے، چنانچہ وہ مسلمانوں پر ہر قسم کا ظلم وستم ڈھانے پر شیر ہوگئی ہے اور اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کیلئے آخری حدوں تک جانے پر تیار ہوگئی ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ یہ اسٹیج اللہ تعالیٰ نے اس

لئے تیار کی ہے کہ اس طرح مسلمانوں کو بجلی کے جھٹکے دیئے جا سکیں اور انہیں خواب غفلت سے بیدار کیا جا سکے اور ان کی بے حسی ختم کی جا سکے۔

اگر چہ یہ ایک مسلمہ، فطری، فکری اور بین الاقوامی حقیقت ہے کہ کسی بھی نظریے کو زبردستی نہیں دبایا جا سکتا بلکہ اسے جتنا بھی دبایا جائے وہ اتنا ہی زیادہ ابھرتا ہے، لیکن یہ مثال اسلام پر خاص طور پر صادق آتی ہے کیونکہ وہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ سچا دین ہے اور فطری دین ہے لہذا جب کسی فرد کے دل میں اس کی حقیقت اور اس کی محبت اتر جاتی ہے تو وہ پھر جان دے دیتا ہے لیکن اس دین کی حلاوت کو ترک نہیں کرتا، یہ بات ویسے ہی قابل فہم ہے، لیکن اگر کوئی اس کے لئے دلائل اور ثبوت چاہے تو وہ بھی حاضر ہیں:

ہماری پہلی دلیل یہ ہے کہ اس امت کا ماضی اس فارمولے کی تصدیق کرتا ہے۔ دیکھئے جب نبی کریمؐ نے لوگوں کو اسلام کی طرف بلانا شروع کیا تو آپ ایک کمزور فرد واحد تھے، پھر جو لوگ آپؐ پر ایمان لائے ان میں سے اکثر غریب، کمزور اور سماجی و معاشی لحاظ سے کچلے ہوئے طبقے کے افراد تھے چنانچہ وڈیروں، سرمایہ داروں اور سرداروں نے ظلم وستم ڈھانا شروع کیا، ان کو وہ تعذیب دی جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، یہاں تک کہ کچھ لوگ جان اور ایمان بچانے کے لئے ملک چھوڑ کر چلے گئے، لیکن کفار مکہ کی پوری کوشش کے باوجود اس قافلہ سخت جاں کی تعداد بڑھتی گئی۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ خود داعی حق کی زندگی خطرے میں پڑ گئی اور اسے شہر چھوڑ کر دوسری جگہ جانا پڑا۔ اہل کفر نے وہاں بھی اس کا پیچھا کیا اور ساری قوت جمع کر کے اس نوخیز پودے کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کی کوشش کی لیکن اہل کفر کی ان ساری کوششوں کا ایک ہی نتیجہ نکلا کہ **جاء الحق زهق الباطل ان الباطل كان زهوقا** (بنی اسرائیل: ۱۹۸۱) حق غالب آ گیا اور باطل مفتوح ہو گیا، یہ اس دین کی ابتداء تھی۔

اب اس دین کا وسط دیکھئے، جب یہ دین ایک معاشرے اور تہذیب کی صورت میں ڈھل گیا اور اس کی ضیاء پاشیوں نے اقطار عالم کو منور کر دیا تو پھر شیطان کی چالیں

کامیاب ہونے لگیں اور دنیا کی محبت اور لذتوں نے مسلمانوں میں کمزوری پیدا کرنی شروع کی۔ اس حالت میں منگولوں کا سیلاب اٹھا اور مسلم تہذیب کے مرکز اور ایک بڑے خطے کو بہا کر لے گیا۔ لوگ روتے رہ گئے، بستیاں ویران ہوگئیں اور شہر اجڑ گئے بلکہ ہر شہر میں مسلمانوں کی کھوپڑیوں کے مینار بن گئے۔ اب بظاہر یہ اس دین اور اس تہذیب کا خاتمہ تھا لیکن اچانک یہ زخمی اور ہزیمت خوردہ شیر جاگ اٹھا اور وہی منگول جو اسلام کو فتح کرنے آئے تھے اس کے سامنے مفتوح ہوگئے اور اسلام اور مسلم تہذیب پھر غالب آگئی، چنانچہ ابن خلدوں کہتا ہے کہ یہ منگولوں کا حملہ تھا جس نے مسلمانوں کو خواب غفلت سے جگایا اور انہیں حیات نو بخشی۔ (تاریخ ابن خلدون، کتاب العبر)۔

ہم کہتے ہیں کہ جب اس مسلم تہذیب کی ابتداء یہ تھی کہ اس کے ماننے والے کمزور تھے پھر دشمنوں کے ظلم وستم نے اسے طاقت بخش دی، جب اس کا وسط یہ ہے کہ جب منگولوں نے اس عظیم الشان عمارت کی اینٹ سے اینٹ بجادی تو ان کے ظلم وستم نے ایک نئی مسلم قوم کو جنم دیا جو ان پر غالب آگئی تو اب اس تہذیب کے آخری دور میں یہ کیوں نہیں ہوگا کہ اس پر ظلم وستم کے نتیجے میں یہ تہذیب پہلے سے زیادہ توانا اور طاقتور ہوکر ابھرے گی۔ منطق کا کوئی فارمولہ ہمارے اس دعوے کو رد نہیں کرسکتا، جو پہلی صدی ہجری میں سچ تھا، جو ساتویں صدی ہجری میں سچ تھا اور آج پندرہویں صدی ہجری کی ابتداء میں سچ کیوں کر نہیں ہوسکتا۔؟

ہماری دوسری دلیل یہ ہے کہ کہ خود مغربی مفکر ودانشور اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں اسلام پر جتنا ظلم وستم ڈھایا جائے گا یہ اتنا ہی ترقی کرتا ہے، چنانچہ مستشرق اگسٹ نمز جونیئر نے آکسفورڈ انسائیکلو پیڈیا آف ماڈرن اسلامک ورلڈ کی چوتھی جلد میں تزانیا پر مقالہ لکھتے ہوئے اعداد وشمار کی بنیاد پر اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ مشرقی افریقہ خصوصا تنزانیا میں اشاعت اسلام کی رفتار سب سے زیادہ تیز اس زمانے تھی جب مغربی قومیں وہاں کے مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھا رہی تھیں۔ خلاصہ یہ کہ۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

لہذا مسلمانوں کو نہ مایوس ہونے کی ضرورت ہے اور نہ خوفزدہ ہونے کی، انہیں بس یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ان کی بقاء، ان کا استحکام، ان کی ترقی، ان کی عظمت اور ان کے عروج کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ اپنی اصل کی طرف لوٹ جائیں، منافقت اور دو رنگی چھوڑ دیں اور اخلاص کے ساتھ اپنے اللہ کی طرف پلٹ جائیں۔ جوں ہی انہوں نے یہ کرلیا وہ بازی جیت جائیں گے۔ پھر مغربی تہذیب کے سانپ انہیں رسیاں نظر آنے لگیں گے اور اسلام کا اژدھا ان سب کو نگل جائے گا اور اس میں ان شاء اللہ بہت دیر بھی نہیں لگے گی، نبی کریم ﷺ نے یہ پورا انقلاب ۲۳ برس میں مکمل کردیا تھا۔ ہمارا ایمان وایقان یہ کہتا ہے کہ جس دن مسلم امت کی اکثریت اللہ کی اطاعت کے راستے پر یکسو ہوگئی اسے انشاء اللہ ۲۳ سال سے ایک دن بھی زیادہ نہیں لگے گا اور اسلام اور مسلمان غالب آجائیں گے۔ تاہم شرط یہ ہے کہ ہم مسلمان بدلیں کیوں کہ جب تک ہم نہیں بدلتے اس وقت تک یہ گھاٹی سر نہیں ہوگی کیونکہ اللہ کی سنت ہی یہ ہے کہ 'ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم' (الرعد:۱۱)

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

جب ہم مسلمان اس شرط کو پورا کردیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کی کوئی بھی صورت پیدا فرمادیں گے، یا تو موجودہ مسلمان قوموں میں سے اللہ کسی کو لیڈر شپ کی توفیق وصلاحیت دے دے گا، یا پھر اللہ تعالیٰ اہل مغرب کے سینے اسلام کے لئے کھول دے گا اور جیسا کہ خود مغربی ذرائع ابلاغ تسلیم کررہے ہیں کہ اگر امریکہ میں اسلام کے پھیلنے کی موجودہ رفتار برقرار رہی تو ۲۰۲۳ء میں وہاں مسلمانوں کی اکثریت ہوجائے گی۔ (جیسا کہ cnn نے ۲۳/ جولائی ۲۰۰۲ء کو اپنے ایک نشریہ میں یہ تسلیم کیا کہ اسلام مغرب میں

سب سے زیادہ پھیلنے والا مذہب ہے اور ۹/۱۱ کے بعد پچھلے ایک سال سے بھی کم عرصے میں ۳۴ ہزار امریکی اسلام قبول کر چکے ہیں، اگر اسلام کے پھیلنے کی یہی رفتار جاری رہی تو ربع صدی کے اندر مسلمان امریکہ میں اکثریت میں ہو جائیں گے)۔

تو یوں دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے موجودہ طاقتور مغربی حکومتوں میں سے کوئی اسلام قبول کرے اور وہ اسلام کی علمبردار بن کر اٹھ کھڑی ہو۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات

رعنائی تعمیر میں، رونق میں، صفا میں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کے عمارات

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لئے مرگ مفاجات

یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبر، یہ حکومت
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات

باب چہارم

مغرب کا عروج اور متوقع زوال

فصل اول — مغرب کے عروج کے اسباب

فصل دوم — مغرب کے متوقع زوال کے اسباب

فصل اول

مغرب کے عروج کے اسباب

مغربی تہذیب اس وقت بلاشک وشبہ دنیا کی غالب و برتر تہذیب ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کیلئے دلائل دینے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ یہ حقیقت تو اندھوں کو بھی نظر آرہی ہے۔ البتہ ایک مسلمان کے لئے جو بات بسا اوقات الجھن کا باعث بنتی ہے وہ یہ کہ غلبہ تو مسلمانوں کا حق ہے کیونکہ اسلام اللہ کا سچا دین ہے اور مسلمان اللہ کو ماننے والے ہیں لہذا غلبہ و برتری ان کی ہونی چاہیئے نہ کہ اہل مغرب کی جو کافر اور اسلام دشمن ہیں۔

اس الجھن کا اصولی جواب پچھلی دو فصلوں میں آچکا ہے جسے ہم اختصار سے دہرائے دیتے ہیں کہ دنیا میں ترقی کا انحصار اس امر پر نہیں ہے کہ آدمی کا عقیدہ صحیح ہو اور وہ اللہ و رسول کو مانتا ہو بلکہ اس کا انحصار اس امر پر ہے کہ آدمی اسباب دنیا فراہم کرنے پر قادر ہو جائے۔ لہذا جو قوم اور تہذیب بھی دوسروں سے بڑھ کر اسباب دنیا فراہم کرنے پر قادر ہو وہی طاقتور اور غالب ہوتی ہے اور دنیا میں اسباب زندگی فراہم کرنے کے لئے کے لئے عقائد کا صحیح ہونا یا اصول حیات کا صالح ہونا بھی ضروری نہیں بلکہ جو بھی اسباب دنیا فراہم کرنے کے اصولوں پر عمل کرے وہ دنیا میں طاقتور اور برتر ہو سکتا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ دنیا میں اس طرح کے عارضی غلبے کے باوجود یہ قوم آخرت کے عذاب سے دوچار ہوگی اور دنیا میں اس کا اقتدار بھی تھوڑے عرصے کے لئے ہوگا کہ غلط نظریۂ حیات جلد ہی اسے فساد فی الارض کے گڑھے میں گرا کر اس کی موت کا سبب بن جائے گا۔

وہ معروضی اصول جن پر عمل کر کے کوئی بھی قوم دنیا میں فراہمی اسباب پر قادر

ہوسکتی اور طاقتور و بالا دست ہوسکتی ہے، ان کا ذکر ہم اس باب کی پہلی فصل میں کر چکے ہیں۔ تاہم موقع کی مناسبت سے ہم ان اصولوں پر اہل مغرب کے عمل کا ذکر مختصر طور پر کیے دیتے ہیں۔

نظریۂ حیات کے ساتھ وابستگی

یہ دنیا میں ترقی کا بنیادی ترین سبب اور اس کا اصل الاصول ہے، اہل مغرب نے (تحریف شدہ) عیسائیت کو جب دنیوی ترقی میں مزاحم پایا تو اس کا جوا گردن سے اتار پھینکا۔ تحریف شدہ عیسائیت ویسے بھی اسلام کی طرح دنیا و آخرت میں جامع تعلیمات کی حامل نہ تھی بلکہ وہ محض چند دینیاتی و اخلاقی مباحث کا مجموعہ تھی اور اس میں دنیوی زندگی کے بارے میں تفصیلی لائحہ عمل سرے سے موجود ہی نہ تھا، چنانچہ اہل مغرب نے بڑی آسانی سے خدا اور مذہب دونوں کو اپنی زندگیوں سے نکال دیا۔ انہوں نے جو نئے اصول زندگی اختیار کیے وہ یہ تھے:

- انسانوں کی اجتماعی زندگی میں خدا اور مذہب کا کوئی دخل اور کردار نہیں ہے، اگر کوئی اپنی ذاتی زندگی میں خدا اور آخرت کو ماننا چاہتا ہے تو مان لے (سیکولرزم)۔
- یہ کہ انسان خود مختار ہے کہ اپنی زندگی جیسے چاہے گزارے، اس پر خدا یا مذہب کی کوئی بالا دستی نہیں ہے (ہیومنزم)
- ریاست کی بنیاد اس نظم اجتماعی پر ہے جس کی بنیاد رنگ نسل زبان اور علاقے کے اشتراک جیسے اصولوں پر ہو (نیشنلزم)
- عوام کے نمائندے پارلیمنٹ میں جو قانون چاہیں بنائیں اور جس فعل کو چاہیں حلال یا حرام قرار دے لیں (جمہوریت)
- ہر فرد کو سرمایہ بڑھانے کی لامحدود آزادی حاصل ہے (سرمایہ داری یا کیپٹلزم)
- مذہب اخلاق اور سماج کے صرف وہ اصول قابل تسلیم ہیں جو تجربے اور مشاہدے کے سائنسی اصولوں پر پورے اتریں (امپریسزم)

- معاشرتی زندگی میں جنسی اباحیت اور عورتوں کی مادر پدر آزادی، جو نتیجہ ہے مذہب کے ردّ اور ہیومنزم و سیکولرزم وغیرہ کے قبول کرنے کا۔

اس وقت تک اہل مغرب نے ان اصولوں کو کسی نئے مذہب کا نام تو نہیں دیا البتہ ان کی تہذیب و تمدن کی بنیاد یہی اصول ہیں۔ اس وقت یہاں ہمیں اس امر سے بحث نہیں کہ یہ اصول حیات غلط ہیں یا صحیح، صالح ہیں یا غیر صالح، فطری ہیں یا غیر فطری بلکہ ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ اصول اہل مغرب کا نظریۂ حیات ہیں اور اہل مغرب پوری شدت سے ان اصولوں پر عمل کر رہے ہیں اور ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی انہی اصولوں کے مطابق گزر رہی ہے اور یہی ان کی طاقت کا منبع ہیں۔

انسانی وسائل

ا۔ محنت

مذکورہ بالا اصولوں سے شدید وابستگی ہی اہل مغرب کے فکر و عمل کی بنیاد ہے۔ یہی چیز اس کے افراد کی شخصیتوں کی تعمیر کر رہی ہے اور یہی چیز ان کو قوت عمل مہیا کر رہی ہے اور ان کو مسلسل محنت پر اکساتی ہے۔ آپ امریکہ اور یورپ میں کہیں چلے جائیں کام کے اوقات میں ہر آدمی آپ کو اپنے کام میں جتا نظر آئے گا، کاہلی اور کام چوری کا وہاں کوئی تصور نہیں۔

۲۔ اتحاد

اہل مغرب کی ترقی و طاقت کا راز ان کے اتحاد میں پوشیدہ ہے براعظم یورپ امریکہ، آسٹریلیا سب کو مغربی فکر و تہذیب متحد کئے ہوئے۔ آج اگر امریکہ کی ریاستیں فیڈریشن سے الگ ہو جائیں تو اس کی طاقت ختم ہو جائے۔ اگر یورپ امریکہ کا مخالف ہو جائے تو مغربی تہذیب کی ہوا اکھڑ جائے لیکن جمہوریت شخصی آزادی' سرمایہ داری

،سیکولرزم وغیرہ جیسے فکری اساسات کا اشتراک ہی اقوام مغرب کو متحد کیے ہوئے ہے اور ان کا یہ اتحاد ہی ان کی قوت اور ترقی کا ایک بڑا سبب ہے۔

۳۔ تنظیم و منصوبہ بندی

مغربی اقوام کی ترقی وقوت کا ایک بڑا سبب ان کی تنظیم و منصوبہ بندی ہے۔ان کے منظم ہونے کی وجہ سے نہ ان کی قوت کار ضائع ہوتی ہے اور نہ صلاحیتوں اور وقت کا ضیاع ہوتا ہے بلکہ جس کام میں بھی وہ ہاتھ ڈالیں اس سے بہترین نتائج وہ حاصل کر لیتے ہیں۔یہودیوں نے انیسویں صدی میں پروٹوکولز تیار کر کے مستقبل کی منصوبہ بندی کی اور آج تک کامیابی سے ان پر عمل کر رہے ہیں۔۱۹۷۳ء میں شاہ فیصل نے مغربی قوموں کی زیادتیوں کے مقابلے میں تیل کا ہتھیار استعمال کیا۔اس کے بعد امریکہ اور مغربی اقوام نے ایسی منصوبہ بندی کی کہ آئندہ کبھی مسلمان مغرب کے خلاف تیل کا ہتھیار استعمال نہ کر سکیں۔چنانچہ شاہ فیصل کو قتل کرا دیا گیا،عراق اور کویت کو سازش سے لڑا کر امریکہ نے یورپی اتحادیوں کی مدد سے سعودی عرب اور خلیج کے تیل پر قبضہ کر لیا اور وہاں اپنی فوجیں اتار دیں۔اسی طرح اس نے یورپی اتحادیوں کو ساتھ ملا کر حیلے بہانے افغانستان میں مداخلت کی اور وسط ایشیائی ریاستوں کے تیل وگیس کے ذخائر تک پہنچ گیا،اسی طرح اس نے حیلے بہانے عراق میں مداخلت کر کے اس کے تیل کے وسیع ذخائر بھی قبضہ جما لیا ،غرض مغربی اقوام بہتر تنظیم اور منصوبہ بندی سے اپنے حریفوں پر غلبہ پائے ہوئے ہیں۔

۴۔ پابندیٔ قانون

اہل مغرب نے جو اصول حیات بنائے ہیں اور ان کی روشنی میں جو بھی قواعد وضوابط بنائے ہیں وہ ان پر سختی سے عمل کرتے ہیں۔ان کے ہاں ٹیکس چوری کوئی نہیں کرتا، انتظامی حکام اور پولیس کو رشوت دے کر قانون سے کوئی نہیں کھیلتا، یہاں تک کہ کوئی آدمی ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

۵۔ ایثار و قربانی

اہل مغرب نے اپنے نظریات اور اپنی تہذیب کی بقاء و استحکام بلکہ اس کی بالا دستی کے لئے جتنی قربانیاں دی ہیں اور اب بھی دے رہے ہیں وہ عظیم الشان اور محیر العقول ہیں ۔پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں برطانیہ، فرانس اور امریکہ نے کھربوں ڈالر اور کروڑوں انسانی جانوں کی قربانی دی۔ کمیونزم کے خلاف سرد اور گرم جنگ امریکہ اور یورپ نے ذاتی جنگ کے طور پر لڑی ،صرف نیٹو کے بجٹ اور جنگ ویتنام میں امریکہ کے جانی و مالی نقصانات کا اندازہ کیجئے اور اب اسلام اور مسلمانوں کے خلاف افغانستان اور عراق میں امریکہ کے کھربوں ڈالر خرچ ہوئے اور ہو رہے ہیں اور جانی نقصان الگ ہو رہا ہے اور ہزاروں امریکی ان جنگوں میں مارے جا چکے ہیں اور ابھی بھی ان کا جانی نقصان ہو رہا ہے لیکن امریکی رائے عامہ اپنی حکومت کی پشت پناہ ہے۔ وہ اسے بخوشی ٹیکس دیتی ہے اور اس کی کامیابیوں پر فخر کرتی ہے اور امریکی حکومت اپنی نظریاتی بالا دستی کے لئے مزید جانی و مالی قربانیاں دینے کے لئے تیار ہے۔ یہودیوں کو لیجئے وہ دنیا کی ایک چھوٹی سے کمیونٹی ہیں لیکن اسرائیل کو قائم رکھنے کے لئے ہر یہودی باقاعدگی سے اپنی آمدنی کا دس فیصد اسرائیل کو دیتا ہے اور اسرائیل کو ڈیڑھ ارب ڈالر سالانہ صرف امریکی یہودیوں کے ہاں سے آتے ہیں۔

نموئی وسائل

تعلیم و تربیت

امریکہ میں شرح تعلیم اس وقت ۹۹ فیصد ہے اور وہاں چار ہزار یونیورسٹیاں اور اعلیٰ تعلیمی ادارے ہیں جو ایک ریکارڈ ہے، کیونکہ اتنی یونیورسٹیاں دنیا کے کسی اور ملک میں موجود نہیں ۔وہ تعلیم پر اپنے GDP کا ۷ء۱ فیصد اور ۵۰۰ء۵۹۵ ملین ڈالر (تقریبا ۳۶ء۵۷ کھرب روپئے) سالانہ خرچ کرتا ہے ۔یہی حال یورپی ممالک کا ہے، برطانیہ

فرانس اور جرمنی میں بھی شرح تعلیم ۹۹ فیصد ہے برطانیہ تعلیم پر اپنے GDP کا ۵ فیصد (۵۰ بلین ڈالر) فرانس اپنے بجٹ کا ۱۱ فیصد (۵۹ بلین ڈالر) اور جرمنی اپنے بجٹ کا ۹ء۵ فیصد (۱۷۰ بلین ڈالر خرچ کرتا ہے۔امریکہ کی ایک ایک یونیورسٹی کا بجٹ سارے پاکستان کے بجٹ سے زیادہ ہے۔

تحقیق

دنیا میں اس وقت سب سے زیادہ تحقیق امریکہ میں ہو رہی ہے۔امریکہ میں تحقیقی سرگرمیوں پر اخراجات کا اندازہ اس سے کیجئے کہ امریکہ اپنی کل آمدنی کا 2.8 فیصد ریسرچ اینڈ ڈیولپمنٹ پر خرچ کرتا ہے۔اس کے بعد سب سے زیادہ تحقیق یورپی ممالک میں ہو رہی ہے۔مسلم ممالک کی حالت یہ ہے کہ پاکستان اس مد میں اپنی آمدنی کا صفر اعشاریہ (۰ء۴) فیصد خرچ کرتا ہے اور ترکی ایک فیصد۔پھر اگر یورپ و امریکہ سائنس و ٹیکنالوجی میں ساری دنیا سے آگے ہیں تو اس میں حیرانی کی کیا بات ہے۔

سیاسی استحکام

مغرب میں سیاسی نظام مستحکم ہے اور اسی میں ان کی طاقت کا راز پنہاں ہے ۔امریکہ و برطانیہ میں دو جماعتی نظام آسانی سے چل رہا ہے۔کسی فوجی کمانڈر کی ہمت نہیں کہ سیاسی نظام کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے۔خود سیاسی جماعتیں عوامی مینڈیٹ کا اتنا احترام کرتی ہیں کہ ایک سیاسی جماعت صرف ایک ووٹ کی اکثریت سے پوری ٹرم نکال جاتی ہے ۔امریکہ میں ۱۷۸۷ء میں آئین بنا تھا آج تک اس میں صرف ۲۷ ترامیم ہوئی ہیں۔

ابلاغ

مغرب کی پروپیگنڈا مشینری اتنی بڑی اور موثر ہے کہ وہ جس جھوٹ کو چاہے سچ بنا کر پیش کر سکتی ہے اور اسے سچ ثابت کر سکتی ہے۔افغانستان اور عراق کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت نہ رکھنے کے باوجود امریکہ نے اپنی پروپیگنڈا مشینری کے زور سے انہیں مجرم

ٹھہرایا اور اپنے عوام سمیت ساری دنیا کو گمراہ کر کے دھونس سے اپنے ساتھ چلایا اور جو چاہا کیا، چند سال پہلے جن لوگوں کو اس نے مجاہد کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کیا تھا جب اپنا مفاد بدلا تو انہی لوگوں کو دہشت گرد ثابت کر دیا۔ مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلانے اور انہیں دہشت گرد ثابت کرنے میں ہالی وڈ کی فلموں نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔

مادی وسائل

سائنس و ٹیکنالوجی

امریکہ و یورپ کی برتری کی بنیادی ترین وجہ سائنس و ٹیکنالوجی میں ان کی ترقی ہے اور سائنس و ٹیکنالوجی میں ان کی ترقی کا سبب یہ ہے کہ دنیا میں ترقی ہی کو انہوں نے اپنا مطمح نظر بنایا اور سیاسی طور پر مستحکم حکومتوں نے تعلیم و تحقیق کے لئے وافر فنڈز مہیا کئے اور بہترین سہولتیں مہیا کیں، جن کے نتیجے میں انسانی صلاحیتوں کو جلا ملی اور وہاں ایجادات کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ پھر سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی صنعتی انقلاب کا پیش خیمہ بنی اسی نے ان کو حربی تفوق عطا کیا اور وہ دنیا کے امام بن گئے۔

معاشی صلاحیت

مغرب کی معاشی برتری اور تفوق اظہر من الشمس ہے، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی وہاں مشینی انقلاب کا سبب بنی ہے جس نے صنعتی انقلاب کو جنم دیا۔ یوں پیداوار کی کثرت اور منڈیوں کی وسعت کثرت دولت کا سبب بنی، مغرب کے معاشی استحکام کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سیاسی اور حربی برتری کی وجہ سے اس نے کمزور ممالک پر قبضہ کر لیا اور ان کے خام مال اور معاشی وسائل کا استحصال کیا، پھر قرضے دے کر انہیں کنگال کر دیا اور اپنا معاشی غلام بنا لیا۔

حربی قوت

سائنس وٹیکنالوجی میں تقدم کا ایک نتیجہ حربی تفوق کی صورت میں نکلا۔اہل مغرب نے وہ ہتھیار تیار کر لئے جو دوسری قوموں کے پاس موجود ہی نہ تھے، یہاں تک کہ دوسری جنگ عظیم میں ایٹم بم ایجاد کر لیا اور اپنے مخالفوں کو بدترین شکست دی۔اس وقت بھی امریکہ جنگی ٹیکنالوجی میں ساری دنیا سے آگے ہے اور اس کے بعد یورپ کا نمبر ہے۔افغانستان وعراق کی جنگ میں دنیا نے دیکھا کہ اس کے بغیر پائلٹ طیارے ہزاروں فٹ بلندی سے صحیح نشانے لگاتے تھے، سینکڑوں میل دور سمندر سے میزائیلوں کی بارش کی گئی۔غاروں میں ایسے بم استعمال کیے گئے جو وہاں آکسیجن ختم کر کے ہر جاندار کو موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے ظاہر ہے کہ افغان مجاہدین پورے جذبۂ ایمانی کے باوجود اس اسلحے کا مقابلہ مقامی بنی کلاشنکوفوں سے نہ کر سکتے تھے اور نہ کر پائے، حالانکہ انہی افغانوں نے جب ان کے پاس موثر امریکی اسلحہ تھا روسیوں کو مار بھگایا تھا۔

فصل دوم

مغرب کے متوقع زوال کے اسباب

مغرب کی ترقی اور مغربی تہذیب کی برتری کا راز صرف یہ ہے کہ مغربی اقوام نے ترقی کے معروضی اصولوں پر عمل کیا ہے اور بس۔ جہاں تک ان کے نظریہ حیات کا تعلق ہے تو وہ پہلے بھی غلط تھا اور آج بھی غلط ہے۔ اس نظریۂ حیات نے ان کی آخرت برباد کردی ہے اور انہیں محض دنیا کی چندروزہ چکاچوند دی ہے (قوموں کی زندگی میں ڈھائی تین صدیوں کا عروج کوئی ایسی لمبی مدت نہیں ہوتی) اور بالآخر اس کا نتیجہ اس دنیا میں بھی زوال کمزوری اور رسوائی کی صورت میں نکلے گا۔

اہل مغرب کا نظریۂ حیات حتماً غلط ہے

پیشتر اس کے کہ ہم مغرب کے نظریۂ حیات کو غلط ثابت کریں ...... پہلے جان لیجئے کہ مغربی نظریۂ حیات ہے کیا؟

مغربی تہذیب کی بنیاد جن نظریات پر ہے ان میں سے اہم ترین یہ ہیں:

۱۔ خدا کے مقابلے میں انسانی خودمختاری بلکہ اس کی خدائی کا اعلان: ہیومنزم یا انسان دوستی بلکہ انسان پرستی (Humanism) اور موجودیت (Existentialism)۔

۲۔ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی پر اصرار اور دنیوی زندگی پر خدا کے اقتدار کا خاتمہ: سیکولرزم یا دنیویت (Secularism)

۳۔ مذہبی اور اخلاقی زندگی کے بجائے مادی اور جسمانی ضروریات کی ترجیح:

میٹریلزم یا مادہ پرستی (Matetialism)

۴۔ وحی اور عقل کے بجائے حسی تجربے اور مشاہدے سے حاصل ہونے والے علم کی برتری یعنی تجربیت (Empiricism) اور اسی ضمن میں ہم ذکر کریں گے ایجابیت (positivism)، نتائجیت (Pragmatism) اور افادیت پسندی (Utilitarianism) کا بھی۔

اہل مغرب کا دین یعنی جن نظریات کے مطابق وہ زندگی بسر کر رہے ہیں مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ انسان اپنا خدا خود ہے۔ وہ اپنے فیصلے خود کر سکتا ہے (وحی اور خدا کی نفی اور مذہب کا انکار)

۲۔ اگر کوئی خدا اور مذہب کو ماننا چاہے تو یہ اس کا انفرادی معاملہ ہے۔ اجتماعی زندگی میں بہر حال خدا کا کوئی کردار نہیں ہے۔ (محدود انفرادی مذہبی زندگی کے سوا اجتماعی زندگی کے سارے شعبوں سے خدا کی خدائی کا انکار)

۳۔ حقیقت صرف وہ ہے جس کا ہم تجربہ اور مشاہدہ کر سکیں (علم کا ماخذ وحی نہیں صرف سائنسی طریق کار ہے)

۴۔ زندی صرف دنیا کی یہ زندگی ہی ہے، لہذا ہمیشہ اسی کے فائدے اور یہاں کی ترقی اور کامیابی کا سوچنا (مادہ پرستی، انکار آخرت اور دنیا پرستی)

۵۔ انسان بنیادی طور پر دوسرے حیوانوں کی طرح ایک حیوان ہی تو ہے (اعلیٰ انسانی افکار و اقدار کی نفی)

ایک مسلمان ان خیالات پر نظر ڈالتے ہی کہہ دے گا کہ یہ خلاف اسلام اور خلاف قرآن ہیں۔

مغربی تہذیب کہہ رہی ہے کہ انسان اپنا خدا خود ہے، جب کہ قرآن کہتا ہے کہ خدا ایک ہی ہے 'قل ھو اللہ احد' (الاخلاص:۱) اس کے سوا کوئی خدا ہے ہی نہیں

'مالکم من اللہ غیرہ' (آل عمران ۵:۹) اور نہ کوئی اس جیسا ہوسکتا ہے، ولم یکن له کفوا احد' (الاخلاص:۴) لہٰذا انسان بے چارہ خدا کیا ہوگا وہ تو اس کے مقابلے میں ، اس کی ایک حقیر مخلوق ہے 'خلق الانسان من نطفة (النحل:۴) اور اس کو یہی زیبا ہے کہ وہ اللہ کی بندگی غلامی اور تابعداری کرتا رہے 'وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون' (الذاریات:۵۶)

مغربی فکر یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزارنے کا حق رکھتا ہے اور وہ اس کے لئے کسی خدا کی ہدایت کا محتاج نہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ انسان اگر محض اپنی مرضی سے زندگی گزارے اور خدا کی ہدایت کا اتباع نہ کرے تو یہ عین گمراہی ہے 'ومن اضل ممن اتبع هواه بغير هدى من الله (القصص:۵۰)

مغرب کہتا ہے کہ علم صرف وہ ہے جو مشاہدے پر مبنی ہو اور وحی کی برتری کو رد کرتا ہے، جب کہ قرآن کہتا ہے کہ وحی کے علم کے بغیر آدمی ایسے ہے جیسے نابینا کہ راہ ہدایت اسے سوجھ ہی نہیں سکتی 'ان اتبع الا ما یوحیٰ الی قل هل یستوی الاعمیٰ والبصیر افلا تتفکرون' (الانعام:۵۰) اور قرآن کہتا ہے کہ جو سماعی اور مشاہداتی علم، علم الٰہی کے مطابق نہ ہو وہ سرے سے علم ہی نہیں ولا تقف مالیس لك به علم ان السمع والبصر والفؤاد كل اولئك كان عنه مسئولا (بنی اسرائیل:۳۶)

مغرب کہتا ہے کہ جس نے اپنی نجی اور انفرادی زندگی میں خدا کو ماننا ہے وہ مان لے، لیکن خدا کو یہ اختیار بہر حال نہیں دیا جا سکتا کہ وہ ہماری اجتماعی زندگی میں دخل دے اور ہمیں بتائے کہ کہ ہمارا سیاسی، معاشی، سماجی، عائلی ...... نظام کیسا ہونا چاہئے، قرآن کہتا ہے کہ اپنی ساری کی ساری زندگی اللہ کے حکم کے مطابق گزارو' یاایها الذین آمنو ادخلو فی السلم كافة (البقرہ:۲۰۸) اور قرآن کہتا ہے کہ جو اللہ کے بعض احکام کو مانے اور بعض کو نہ مانے وہ اسے دنیا میں رسوا کرے گا اور آخرت میں شدید عذاب دے گا افتومنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض فما جزاء من

یفعل ذلك منکم الا خزی فی الحیاة الدنیا ویوم القیامة یردون الی اشد العذاب (البقرۃ:۸۵)

مغرب کہتا ہے کہ زندگی بس دنیا ہی کی زندگی ہے اسی کی فکر کرو، اسی میں لگے رہو، اسی کا فائدہ سوچو۔ قرآن کہتا ہے کہ نہیں! دنیا کی زندگی تو محض چند روزہ چکا چوند ہے، **انما الحیاة الدنیا لعب ولھو وزینة** '(الحدید:۲۰) اور یہ محض مہلت عمل کے لئے ہے ' **الذی خلق الموت والحیاة لیبلوکم ایکم احسن عملاً** '(الملک:۲) اور اصل زندگی تو آخرت کی ہے جو ابدی اور پائیدار ہے' **وان الدار الآخرة لھی الحیوان** '(العنکبوت:۶۴) اور وہاں کی کامیابی ہی اصل کامیابی ہے **فمن زحزح عن النار ادخل الجنة فقد فاز** (آل عمران:۱۸۵) اور جو دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دے گا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے' **فاما من طغیٰ وآثر الحیاة الدنیا فان الجحیم ھی الماویٰ** (النازعات:۳۸)

مغربی نظریات عقلاً بھی غلط ہیں

تو خلاصہ یہ کہ مغربی تہذیب کا سارا فکری ڈھانچہ اسلام کی عین ضد ہے۔ یہ بنیادی طور پر خدا رسول اور آخرت کے انکار پر مبنی ہے اور قرآن حکیم کے مطابق سو فیصد غلط ہے۔ کیونکہ:

۱۔ بحیثیت انسان ہمارا تجربہ ومشاہدہ یہ ہے کہ اللہ کی پیاس اور اسے پانے کی جستجو انسان کی فطرت میں ہے، لہذا ایک انسان جب خدا اور اس کی ہدایت کا انکار کرتا ہے تو وہ گویا اپنی فطرت سے لڑتا ہے اور اپنی فکری وجود کی نفی کرتا ہے۔ اس رویے سے اس کی شخصیت کے اندر ایک کشمکش شروع ہو جاتی ہے جو بسا اوقات دنیا میں بھی اس کے لئے ضرررساں ہوتی ہے۔

۲۔ انسانی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ہر عہد میں انسانوں کی ایک بڑی اکثریت اللہ کے

وجود کو تسلیم کرتی رہی ہے، قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ کفار مکہ بھی اللہ کو مانتے تھے یہاں تک کہ آج کے سائنسی اور ماڈرن دور میں بھی انسانوں کی ایک بڑی تعداد کسی نہ کسی رنگ اور شکل میں اللہ کو مانتی ہے۔

۳۔ کائنات کی ہر چیز چاند سورج، شجر وحجر، پرند چرند غرض ہر چیز بالطبع خدا کی اطاعت وفرمانبرداری کر رہی ہے، لہذا اس کا کائنات کا ایک جز ہونے کی حیثیت سے انسان اگر اس کائنات سے ہم آہنگ رویہ اور طرز زندگی اختیار کرنا چاہتا ہے تو اس کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کی وہ بھی کائنات سے ہم آہنگی اختیار کرے اور اللہ کی اطاعت کے راستے پر چلے۔

۴۔ اس کائنات کی معلوم تاریخ کے وہ بہترین افرد جن کے اخلاق وکردار اور عقل وفراست پر دنیا کے کروڑوں افراد اعتماد کرتے رہے ہیں اور آج بھی کرتے ہیں (یعنی پیغمبر) ان سب کا متفقہ طور پر یہ کہنا ہے کہ خدا ہے اور ہمیں اس کی اطاعت کرنی چاہیے۔

لہذا نہ صرف اسلام اور قرآن کی رو سے مغربی فکر حتما غلط ہے بلکہ عقل کی رو سے بھی یہ صحیح نہیں ہے اور یہی ہمارا پہلا مقدمہ تھا کہ مغربی فکر حتما غلط ہے۔

غلط نظریۂ حیات حتما فساد فی الارض کا سبب بنتا ہے

اپنا پہلا مقدمہ (یہ کہ مغربی فکر حتما غلط) ہے قرآن حکیم اور عقل سے ثابت کرنے کے بعد اب ہم اپنا دوسرا مقدمہ قرآن حکیم سے ثابت کریں گے کہ غلط فکر ہمیشہ فساد فی الارض کو جنم دیتی ہے۔ یہاں اس وقت تک کی بحث سے یہ واضح ہے کہ غلط فکر سے مراد وہ فکر ہے جو اللہ ورسول اور آخرت کے انکار پر مبنی ہو۔ یہ بنیادی گمراہی ہے باقی ساری فکری وعملی گمراہیاں بنیادی گمراہی کی شاخیں اور پھل پھول ہیں۔ آیئے دیکھیں کہ کس طرح قرآن کے نزدیک اس بنیادی فکر کی گمراہی اور اسکے نتیجہ میں پھیلنے والی دوسری گمراہیاں فساد فی الارض کو جنم دیتی ہیں؛

اللہ پر ایمان نہ لانا موجب فساد ہے (ص:۲۸)

اللہ کی عبادت واطاعت سے انکار فساد فی الارض ہے (الاعراف ۵۵۔۵۶)

قرآن کا انکار موجب فساد ہے (یونس:۴۰)

شرک فساد فی الارض کا سبب ہے (الانبیاء:۲۱۔۲۲)

خدا کے بجائے اپنی مرضی کرنا فساد فی الارض ہے (المومنون:۷۱)

انکار آخرت موجب فساد فی الارض ہے (القصص:۷۷)

دنیا میں مگن ہو جانا اور آخرت کو بھول جانا باعث فساد فی الارض ہے (الشعراء:۱۵۲،۱۴)

قتل وخونریزی فساد فی الارض ہے (آل عمران ۲۱۔النمل:۴۸،۴۹)

ظلم وجبر کی بنیادی وجہ انکار حق اور حدود اللہ سے تجاوز کرنا ہے اور فساد فی الارض ہے (البقرہ ۲۲۹۔البقرہ ۲۵۴ الشوریٰ ۳۹،۴۲۔الاعراف ۱۰۳۔النمل ۳۴)

انسانی رشتوں کی پامالی موجب فساد فی الارض ہے (القصص:۴۔الاعراف ۵۸۔ہود ۵۸۔النحل ۸۸۔البقرہ ۲۰۵)

قرآن حکیم کے نزدیک ہر وہ عمل جس سے انسانی رشتے پامال ہوں یعنی جس سے خاندانی نظام کمزور ہو، انسانی مساوات کو زک پہنچے، بچوں عورتوں اور کمزوروں سے شفقت کا داعیہ مجروح ہو، والدین، اساتذہ اور بزرگوں کا ادب نہ ہو، لوگوں کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم کر دیا جائے، انہیں غلام بنا لیا جائے، اس طرح کے سارے اعمال بالآخر فساد فی الارض تک لے جاتے ہیں۔ان باتوں کو قرآن اپنی مخصوص اصطلاحات میں بیان فرماتا ہے۔

قطع رحمی فساد فی الارض کا سبب ہے اور اسکی وجہ احکام الٰہی کی عدم اطاعت ہے ۔(الرعد:۲۵)

یہی بات اس سے ملتے جلتے الفاظ میں البقرہ ۲۷۔اور سورۃ محمد ۲،۲۲ میں کہی گئی ہے۔

- قران نے فرعون کو فساد فی الارض کا مجرم قرار دیا کیونکہ اس نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا اور ان کی نسل کشی کرتا تھا (ان کے لڑکوں کو قتل کر دیتا تھا) اور اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اس نے اللہ کے مقابلے میں سرکشی کا رویہ اختیار کیا (القصص:۴)
- قرآن حکیم میں اللہ نے قارون کو بھی فساد فی الارض کا مرتکب قرار دیا، کیونکہ انکار حق کی بناء پر وہ اپنی دولت کی وجہ سے تکبر میں مبتلا ہو گیا تھا اور لوگوں سے حسن سلوک سے پیش نہ آتا تھا۔ (القصص:۷۷،۷۸)
- اور چوری ڈکیتی رہزنی وغیرہ اس لحاظ سے بھی فساد فی الارض ہیں (ان کے فساد فی الارض ہونے کے بارے میں آیات اوپر گزر چکیں) کہ ان س انسانوں کے حقوق ضائع ہوتے ہیں، ان کا امن وسکون برباد ہوتا ہے اور ان کی جان و مال کا ضیاع ہوتا ہے۔
- پرامن معاشرتی زندگی اور انسانوں کے درمیان ہم آہنگی کو اسلام اتنی اہمیت دیتا ہے کہ وہ لوگوں کی پرائیوسی میں مداخلت کو بھی فساد فی الارض قرار دیتا ہے، چنانچہ نبی کریمؐ نے فرمایا: 'انك ان اتبعت عورات الناس افسدتهم' (ابو داؤد ،کتاب الادب باب فی التجسس)

جنسی انارکی کی ساری صورتیں مثلاً؛ فحاشی، زنا، ہم جنسیت اور مغرب میں اس فتنے کا در کھولنے والے سارے ذرائع جیسے؛ معاشرت میں عورت کا غیر متوازن مقام۔ شراب نوشی کی اجازت، فحش فلمیں، ڈرامے، جنسی تعلیم، مخلوط تعلیم وغیرہ، جو آج کل مغرب میں عام ہیں قرآن حکیم کے نزدیک فساد فی الارض کا موجب ہیں۔ (العنکبوت:۲۸۔۳۰)

اصلاحی قوتوں کی ناکامی

کوئی معاشرہ ان عقائد واعمال سے روگردانی کرنے لگے جن میں وہ یقین رکھتا ہے تو اس کے اندر ایسے لوگوں کی ایک معتد بہ تعداد ایسی ہونی چاہئے جو اسے انحراف سے

روکے۔ اصلاح کا یہ کام (جسے شرع اسلامی کی اصطلاح میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا جاتا ہے) جب تک موثر طریقہ سے ہوتا رہے تو معاشرہ فساد فی الارض اور زوال سے بچا رہتا ہے۔ لیکن جب اصلاحی قوتیں کمزور اور غیر موثر ہو جائیں تو پھر فساد پھیل جاتا ہے۔ یہ بات قرآن حکیم میں کئی انداز سے کہی گئی ہے، مثلاً: سورہ ہود میں پچھلی قوموں کا ذکر کرنے کے بعد ان پر تبصرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

'پھر کیوں نہ ان قوموں مین جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں ایسے اہل خیر موجود رہے جو لوگوں کو زمین فساد برپا کرنے سے روکتے؟ ایسے لوگ نکلے بھی تو بہت کم جن کو ہم نے ان قوموں میں سے بچا لیا۔ ورنہ ظالم لوگ تو انہی مزوں کے پیچھے پڑے رہے جن کے سامان فروانی کے ساتھ دئے گئے تھے اور وہ مجرم بن کر رہے (ہود:۱۴)۔

یہی بات سورہ النحل ۴۸ اور الشعراء ۱۵۲ میں کہی گئی ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ وہ پیغمبروں کی تعلیمات کو جھٹلاتے تھے۔ نیز المائدہ: ۷۸، ۷۹ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر پیغمبروں کی طرف سے لعنت بھیجنے کا ذکر کیا ہے جو نہی عن المنکر نہیں کرتے تھے۔

نبی کریمؐ نے فرمایا ہے کہ معاشرے کی زندگی کا دارومدار اصلاحی کوششوں پر ہوتا ہے اور اس کے لئے کشتی کی مثال دی ہے کہ اگر نچلی منزل والے پانی لینے اوپر عرشے پر جانے کے بجائے کشتی میں سراخ کر کے پانی حاصل کرنے کی کوشش کریں اور انہیں کوئی نہ روکے تو کشتی غرق ہو جائے گی اور وہ سب بھی جو اس پر سوار ہیں، لیکن اگر اوپر والے انہیں اس حرکت سے روکیں تو پھر سب لوگ بچ جائیں گے۔ (بخاری، كتاب الشركة ،باب هل يقرع في القسمة والاستهام فيه)

عدم نفع آوری سبب زوال ہے

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ قرار و ثبات یہاں اسی تہذیب و تمدن اور فکر و عمل کو عطا کرتا ہے جو لوگوں کے لئے فائدہ بخش اور نفع آور ہو اور جو چیز لوگوں کے لئے نقصان دہ اور سبب فساد ہو اسے وہ مٹا دیتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ افکار و اعمال

باطلہ کی مثال جھاگ کی سی ہے جو زائل ہو جاتی ہے اور افکار و اعمال صالحہ کی مثال پانی کی سی ہے جو زمین جذب ہو کر نباتات و حیوانات کے لئے زندگی کا سبب بنتا ہے۔

'اللہ تعالیٰ جب بارش برساتے ہیں تو سیلاب آتا ہے، ندی نالے بہتے ہیں اور پانی پر جھاگ آجاتا ہے، اسی طرح جب دھاتوں کو پگھلایا جائے تو زیور یا برتن بنانے کے لئے تو ان پر بھی جھاگ آتا ہے اور جھاگ اڑ جایا کرتا ہے اور جو چیز انسانوں کے لئے نافع ہو (یعنی پانی) وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے ایسی مثالوں ہی سے حق و باطل کو واضح کرتا ہے۔ (الرعد ۱۷)

سطور بالا میں جو کچھ ہم نے عرض کیا اس سے قرآن کی رو سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ جس قوم اور تہذیب کا نظریۂ حیات خدا، رسول آخرت کے انکار پر مبنی ہو وہ قتل وخونریزی، ظلم و جبر، استحصال، انسانی رشتوں کی پامالی اور جنسی انارکی میں مبتلا ہو کر رہتی ہے، اس کے اعمال سے نفع آوری ختم ہو جاتی ہے اور وہاں اصلاحی قوتیں ناکام ہو جاتی ہیں اور ان سب امور کے نتیجہ میں وہاں فساد فی الارض پھیل کر رہتا ہے۔

مغربی قومیں (خصوصا یورپ و امریکہ) فساد فی الارض کی مہلک مرض میں مبتلا ہو چکی ہیں اور ان کی تہذیب کو گھن لگ چکا ہے، بلکہ یہ ہم سب کا تجربہ اور مشاہدہ ہے لہذا آیئے ہم آپ کو ان کے جرم فساد فی الارض کی چند جھلکیاں دکھائیں:

قتل وخونریزی

خود مغرب کے اپنے مہیا کردہ اعداد و شمار کے مطابق پہلی جنگ عظیم میں ۸۴ لاکھ افراد اور دوسری جنگ عظیم میں ۴ سے چھ کروڑ افراد قتل ہوئے (دیکھئے برٹانیکا انسائیکلوپیڈیا ۹/۱۰۱۳)۔ آزادی کی تحریکوں کے دوران ہندوستان، شرق اوسط بعید اور افریقہ میں اہل مغرب نے ہزاروں مسلمان تہہ تیغ کر دیے خود ہمارے دیکھتے افغانستان و عراق میں ہزاروں لوگ بمباری کر کے بے دردی سے شہید کر دیئے گئے۔ ایک محتاط انداز ے کے مطابق عراق میں تازہ امریکی حملے سے ۶۰ ہزار عراقی اب تک شہید ہو چکے ہیں،

امریکہ ظلم و جبر اور دوسرے ملکوں میں مداخلت کی یک طویل تاریخ رکھتا ہے (تفصیل میں جائے بغیر اگر ان کی ایک جھلک دیکھنی ہو تو ممتاز امریکی مصنف ولیم بلّم، نوم چومسکی کی کتابیں اور فلم ساز مائیکل مور کی فلم فارن ہائٹ ۱۱/ ۹ دیکھئے جن میں امریکی مظالم کو خوب بے نقاب کیا گیا ہے)

ا۔ غیر ملکی زمین پر غیر قانونی قبضہ

یہ سولہویں صدی کا واقعہ ہے جب برطانیہ نے اپنے ملک کے تمام جرائم پیشہ افراد قاتلوں، ڈاکوؤں اور سمندری قزاقوں کو جمع کیا اور انہیں نو دریافت شدہ براعظم امریکہ میں دھکیل دیا۔ ان مسلح قانون شکن عناصر نے بڑے پیانے پر مقامی باشندوں جنہیں ریڈ انڈینز کہا جاتا تھا۔ بے دردی کے ساتھ قتل کر کے ان کی زمینوں پر قبضہ کر لیا ان کے مال واسباب لوٹ لئے خواتین کی بے حرمتی کی اور اس ملک کی معدنیات بالخصوص سونے کی کانوں کو اپنے قبضے میں لے لیا۔

۲۔ غلاموں کی تجارت

موجودہ امریکیوں کے ظالم آباء واجداد نے انسانیت کے خلاف دوسرا شرمناک جرم یہ کیا کہ انسانوں کو اغوا کر کے غلام بنانے اور ان کی تجارت کا قبیح سلسلہ شروع کر دیا۔ یہ ظالم افریقہ کے ساحلوں پر اترتے اور اسلحہ کے زور پر نوجوان افریقیوں کو اغوا کر لیتے, اس دوران مزاحمت پر ہزاروں معصوم انسان ان کے ہاتھوں بے دردی کے ساتھ مارے گئے۔

امریکی حملہ آوروں نے ان بھوکے پیاسے مادر زاد ننگے غلاموں مردوں اور عورتوں کو جانوروں کی طرح جہاز میں بھر کر امریکہ پہنچایا اور پر زندگی بھر کی غلامی ان کا مقدر قرار پائی ان سے ہر طرح کے شرمناک کام لئے جاتے اور معاوضے کے طور پر ایک پیسہ بھی نہ دیا جاتا۔ امریکہ میں آج جو کالے ہیں یہ دراصل انہیں مظلوموں کی اولاد ہیں۔

۳۔ جنگ آزادی

جب ان جرائم پیشہ لوگوں کو امریکہ میں قوت حاصل ہوگئی تو انہوں نے برطانوی شہنشائیت سے بغاوت کر کے آزادی حاصل کرلی اور اس خونریز بغاوت کے دوران ہی متعدد ریاستیں وجود میں آئیں۔

۴۔ امریکی خانہ جنگی

آزادی حاصل کرنے کے بعد وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کنیڈا کے علاوہ شمالی امریکہ کی دیگر ریاستیں دو گروہوں میں تقسیم ہوگیں۔ جنوب کی ریاستیں جنرل لی اور شمالی ریاستیں جنرل جارج واشنگٹن کے جھنڈے تلے جمع ہوگئیں اور ایک دوسرے پر تسلط قائم کرنے کے لئے ان دونوں کے درمیان شدید لڑائیاں ہوئیں، جن میں لاکھوں انسان تہہ تیغ ہوئے اور بالآخر واشنگٹن نے میدان مار لیا۔ جنگ کے ان بادلوں سے یونائیٹڈ اسٹیٹ آف امریکہ برآمد ہوا اور جارج واشنگٹن اس مملکت کے ہیرو قرار پائے جن کے نام سے آج کا امریکی دارالحکومت موسوم ہے۔

۵۔ ایٹم بن کی تیاری

آئن اسٹائن دراصل ایک جرمن یہودی سائنس داں تھا، جس نے اپنے وطن سے غداری کی اور اپنے ساتھیوں اور اٹامک انرجی کے شعبے میں جرمن سائنسدانوں کے کئے ہوئے ساری تحقیقی کام سمیت امریکہ چلا آیا اور پھر انہیں سائنس دانوں نے بعد ازاں ایٹم بم ایجاد کیا جو انسانیت کی تاریخ میں پہلی اور تا حال آخری بار امریکیوں کے ہاتھوں ناگاساکی اور ہیروشیما کے معصوم انسانوں پر استعمال کیا گیا، اس حملے ۳۰ ہزار انسان جل کر راکھ ہوگئے۔ ۲۰ ہزار نے حملے کے بعد جان بچانے کے لئے دریا میں چھلانگ لگادی اور ڈوب کر ہلاک ہوگئے۔ ۶۰ ہزار معصوم بچے مردہ، جبکہ ۵۰ ہزار سے زائد معذور پیدا

ہوئے ، یہی نہیں آج بھی دنیا کا سب سے بڑا نیوکلئر نائٹروجن، ہائیڈروجن، نیوٹران بموں اور وار ہیڈز کا ذخیرہ امریکہ کے پاس موجود ہے جس کی تعداد ۱۱ ہزار سے متجاوز ہے، اس کے علاوہ اس کے پاس ہزاروں یورینیم وار ہیڈز، کروز، ٹام ہاک، ڈیزی کٹر میزائل اور بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والے کیمیکل اور بائیولوجیکل اسلحوں کے انبار ہیں۔

۶۔ دیگر ممالک میں مداخلت اور حکومتوں کا خاتمہ

دیگر ممالک کے معاملات میں ٹانگ اڑانے۔ان کی حکومتوں کے تختے الٹنے اور حکمرانوں کو قتل کرنے کے امریکی جرائم کا جائزہ لیا جائے تو 1890ء سے اب تک وہ 32 آزاد و خود مختار ممالک میں 100 سے زائد بار مداخلتیں کر چکا ہے۔

یہی نہیں یہ امریکی ایجنسی معروف طور پر کم از کم چھ مقبول حکمرانوں کے قتل میں ملوث ہے جن میں افریقہ کے مرتلا محمد، چلی کے ایلنیڈ، سعودی عرب کے شاہ فیصل شامل ہیں۔1910 میں امریکہ نے چھ لاکھ فلپائنوں کو قتل اور ان کی خواتین کو بے آبرو کیا، جبکہ ویت نام میں تقریباً تیں لاکھ انسان امریکیوں کے ہاتھوں ذبح ہوئے، یہ نام نہاد امریکی تہذیب کی مختصر تاریخ ہے جو ان کی خونخواری و خونریزی، زر، زمین کی ہوس اور سازشوں سے عبارت ہے اور جس سے ان کے فکر و عمل کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ظلم و جبر

ظلم کس کو کہتے ہیں یہ گونتا مونا اور ابو غریب جیل کے قیدیوں سے پوچھیئے۔ یہ لوگ کس طرح جہازوں میں بیڑیوں میں جکڑ کے لٹا کر ذلیل کر کے لے جائے گئے ۔وہاں ان کے لئے مخصوص پنجرے بنائے گئے۔عدالت و انصاف کے سب دروازے ان پر بند کر دئے گئے اور دنیا کے سب سے مہذب ملک امریکہ کی پارلیمنٹ نے خاص اس غرض کے لئے خصوصی قوانین بنائے۔جنگ آزادی کے دوران حریت پسندوں پر ہندوستان، الجزائر انڈونیشیا میں کیا کیا ظلم نہیں ڈھائے گئے۔صرف ۱۸۵۷ء میں ایک

دن میں چھ چھ سو علماء کو درختوں پر پھانسی دی جاتی تھی۔ افغانستان پر حملے میں مسلمان مجاہدوں کو کنٹینرزوں میں بند کر کے مارا گیا، ان کے منہ میں پٹرول کی بوتل گھسیڑی گئی ،عراق پر حالیہ حملے میں ۶۰ ہزار مسلمان شہید اور ۴۰ ہزار خواتین متاثر ہوئیں، ۵۰/ ارب ڈالر سے زائد رقم اور ۱۷ ہزار زیورات لوٹے گئے، ۸ ہزار شہری اغوا کیے گئے، ۶ ہزار مسلم خواتین کی عصمت دری کی گئی۔ ۱۵۵۰ بچیوں کی جبری آبروریزی ہوئی، ۴۵۰ بچوں کے ساتھ عمل قوم لوط کیا گیا۔ یہ چند وہ اعداد شمار ہیں جو انسانی حقوق کی تنظیموں کے ذریعے باقاعدہ رپورٹ ہوئے اور جو رپورٹ نہیں ہوئے وہ اس سے کہیں زیادہ ہیں۔

استحصال

برصغیر میں ہر سو خوشحالی تھی۔ ڈھاکے کی ململ کا ایک تھان انگوٹھی سے گزر جاتا تھا ۔ان کاریگروں کے ہاتھ کٹوا دیئے گئے۔ سارا خام ہندوستان سے برطانیہ کی فیکٹریوں میں لے جایا جاتا تھا، افغانستان پر حملہ کیا صرف اسامہ کے لئے ہوا؟ اسامہ تو ایک بہانہ تھا۔ وسط ایشیا کی ریاستوں کے تیل وگیس کے ذخائر تک پہنچنا مقصود تھا، کویت اور عراق کو کیوں لڑایا گیا تاکہ سعودیہ اور امارات کے تیل کے کنوؤں پر قبضہ کیا جائے اور وہ کر لیا گیا۔ اب عراق کو روندا گیا اور اس کے تیل وگیس کے کنوؤں پر قبضہ کر لیا گیا، شاہ فیصل کو قتل کرایا گیا کیوں کہ وہ تیل کے راستے میں مزاحم تھا۔ ضیاء الحق کو جلوایا گیا، کیوں کہ وہ افغانستان پہنچنے میں حائل تھا۔

رشتوں کی پامالی اور جنسی انارکی

مغرب نے خاندان کا نظام تباہ کر دیا۔ ماں باپ اور اولاد ایک دوسرے سے دور ہو گئے۔ بوڑھے اولڈ ہاؤسز میں اور بچے نرسریوں میں رکھے گئے۔ عورت مرد کا رشتہ کھیل بن گیا، عورت کو حق طلاق مل گیا۔ مرد کو مرد سے اور عورت کو عورت سے شادی کی اجازت دے دی گئی عورت و مرد کو بغیر نکاح اکٹھے رہنے کی اجازت مل گئی، اشتہار بازی اور سیلز

پروموشن نے عورت کی عصمت کو متاع بازار بنا دیا، عورت بچے پیدا کرنا بوجھ سمجھتی ہے۔ مغرب میں حرامی بچوں کی تعداد حلالیوں سے بڑھ گئی۔ ننگوں کے کلب بن گئے ہیں۔ اسقاط حمل حق بن گیا ہے۔ انٹرنیٹ نے فحاشی کی رہی سہی کسر پوری کر دی ہے، ننگی فلموں کو دنیا کے ہر بچے اور بڑے کی دسترس تک پہنچا دیا ہے۔

نفع آوری کا خاتمہ

مغرب نے وہ سارے اصول اور ادارے ختم کر دیئے جو انسان کی خوشی کا سبب بنتے ہیں۔ ماں باپ اولاد کو نہیں دیکھ سکتے، ان کے ساتھ رہ نہیں سکتے، انسانوں کو اللہ سے دور کر دیا گیا اور وہ روحانی بے چینی سے بھٹک رہے ہیں، کبھی ہپی بن جاتے ہیں، کبھی خود کشی کر لیتے ہیں، کبھی مذہبی شاطروں کے ہاتھوں میں کھیلنے لگتے ہیں، لیکن سیکولرزم اور ہیومنزم کے نام پر خدا کو معاشرت سے دیس نکالا دے دیا گیا، جہاں ماں باپ بچے پالنے کو بوجھ سمجھیں، جہاں عورت سارا دن نوکری کرے، وہاں بچہ ماں کی ممتا سے کیوں محروم نہ ہوگا، غرض نفع سے محرومی مغرب میں عام ہے۔

اصلاحی قوتوں کی ناکامی

قرآن نے ہمیں بتایا ہے کہ جب فساد فی الارض انتہاء تک پہنچتا ہے تو فساد اتنا خوشنما بنا دیا جاتا ہے اور جھوٹ کو سچ سے اس طرح ملا دیا جاتا ہے کہ مفسدین دعویٰ کرنے لگتے ہیں کہ انما نحن مصلحون یعنی ہم جو کچھ کر رہے ہیں محض اصلاح کی خاطر کر رہے ہیں چنانچہ دیکھئے یہودی ابلاغی قوتوں کا کمال کہ امریکی رائے عامہ کو بش اور اس کے ساتھیوں کی جنگی مجرموں جیسی چالوں کو اتنا خوشنما بنا کر دکھایا کہ وہ ان کے حامی بن گئے۔ ہم افغانستان میں دہشت گردی کو کچلنا چاہتے ہیں۔ ہم عراق میں جمہوریت بحال کرنا چاہتے ہیں۔ ہم عراق میں تباہی کے ہتھیار ختم کرنا چاہتے ہیں، یہ سب کتنے خوبصورت الفاظ ہیں اور یہ اس لئے استعمال کئے جاتے ہیں تاکہ لوگوں کو اور اپنے عوام کو

دھوکہ دیا جائے ،اصلاحی قوتوں کو ناکام بنایا جائے۔

فساد فی الارض میں مبتلا قوم اور تہذیب مٹ کر رہتی ہے

ہم قرآن حکیم ہی سے ثابت کریں گے کہ جو قوم اور تہذیب اپنی باطل فکر اور عمل کی وجہ سے فساد فی الارض کا سبب بنتی ہے وہ مٹ کر رہتی ہے۔

- شرک کی وجہ سے ہونے والے فساد کا نتیجہ تباہی ہے (الروم:۴۱،۴۴)
- ظلم کا نتیجہ ہلاکت و بربادی ہے (الانعام:۴۷)
- عاد وثمود اور فرعون کی طاقتور قومیں فساد فی الارض کی وجہ سے تباہ کردی گئیں (الفجر:۶،۳)
- زمین کو فساد سے پاک کرنے کے لئے اللہ اہل باطل کو شکست سے دوچار کرتا ہے: (البقرہ:۲۵۱)
- فساد فی الارض کے نتیجے میں اللہ قوموں کے عروج کو زوال سے بدل دیتا ہے: (بنی اسرائیل:۴،۸)
- آل فرعون بھی انکار حق کی وجہ سے مفسد قرار پائے اور تباہ کیے گئے۔ (النحل: ۱۲،۱۴) غرض یہ کہ جو قومیں فساد فی الارض کی مرتکب ہوتی ہیں وہ قرآن کی رو سے دنیا ہی میں تباہ کردی جاتی ہیں۔

مغرب کا زوال حتمی ہے

اگر چہ ہم نے سطور بالا میں بدلائل ثابت کردیا ہے کہ مغربی تہذیب کا زوال حتمی ہے لیکن ممکن ہے کہ کسی ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ مغرب پچھلی تین صدیوں سے غالب ہے اور اس وقت بھی دنیا کی کوئی قوم اور تہذیب اس کی ٹکر کی نہیں ،تو خصوصا مسلمان تو اس کے پاسنگ بھی نہیں اور ابھی تک قعر ذلت میں ڈوبے ہوئے ہیں ،تو پھر مغرب کیسے زوال پذیر ہوگا اور خصوصا یہ کہ کب ہوگا ؟ کہ ہماری طرح زوال مغرب کی پیشن گوئیاں

کرنے والے اقبال کو یہ کہے بھی پون صدی گزر گئی کہ۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہوگا
دیارِ مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ زر کم عیار ہوگا

اس کے جواب میں چند باتیں ذہن میں رکھنی چاہئیں:

۱۔ اللہ کی تقویم یا یوں کہئے کہ تاریخ کے سفر میں تین صدیاں بہت طویل عرصہ نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی ہیں اور آپ نے قیامت کو نہایت قریب قرار دیتے ہوئے قیامت سے اپنے فاصلے کو دو انگلیوں سے تشبیہ دی۔ (مسند احمد بن حنبل ۳/۲۲۳) اور دیکھئے کہ چودہ صدیاں گزر گئیں چکی ہیں اور اب بھی خدا جانے قیامت کب آئے گی؟ پھر مسلمان کمزور پڑنے کے باوجود پچھلی صدی تک مغرب کے مقابلے کی طاقت رکھتے تھے سقوط خلافت عثمانیہ کا حادثہ تو ۱۹۲۴ء ہی میں پیش آیا ہے۔ خود برصغیر کی مثال دیکھئے کہ گو کمزوریاں پہلے سے تھیں لیکن دلی کی مسلم حکومت کا مکمل خاتمہ ۱۸۵۷ میں ہوا۔

۲۔ ظاہر بین نظریں حالات کا سطحی مطالعہ کرتیں اور ان سے غلط نتائج استنباط کرتی ہیں۔ بسا اوقات یوں ہوتا ہے کہ کسی ڈھانچے کو اندر سے دیمک چاٹ چکی ہوتی ہے اور وہ گرنے کے قریب ہوتا ہے لیکن دور سے دیکھنے والے سمجھتے ہیں کہ ماضی میں شان و شوکت کے جوہر دکھانے والا یہ ڈھانچہ ابھی تک اسی آب و تاب سے قائم ہے۔ یکایک ناموافق حالات کا ایک دھکا اسے یوں بکھیر کر رکھ دیتا ہے جیسے کبھی وہ کھڑا ہی نہ تھا، بالکل جیسے گرتی ہوئی دیوار کو ایک معمولی دھکا کافی ہوتا ہے۔ آنکھوں نے دیکھا کہ روس شکست کھا کر افغانستان سے بھاگا اور پھر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور اس کے بطن سے پانچ عظیم الشان مسلم سلطنتیں برآمد ہوئیں او

روہ وقت بھی دور نہیں جب خاص ماسکو پر بھی اسلام کا پرچم لہرائے گا، ان شاء اللہ العزیز۔

لہذا ہم کہتے ہیں کہ مغرب خصوصا امریکہ کے زوال کے بہت سے اسباب موجود ہیں۔بس مشیت کے فیصلے کی دیر ہے جس دن اس کا فیصلہ ہوگیا بس ایک دھکے کا بہانہ درکار ہوگا اور امریکہ ٹون ٹاورز کی طرح دھڑام سے نیچے آگرے گا۔اور اگر اللہ نے ہمیں زندگی دی تو ممکن ہے ایک دن ہمارا پوتا ہم سے پوچھے دادا ابو! سنا ہے امریکہ کبھی اکیلا دنیا کی سپر پاور ہوا کرتا تھا۔؟۔۔۔وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

۲۔ اگر ہم عالم اسباب کو سامنے رکھتے ہوئے اس معاملے پر غور کریں تو اللہ کی مشیت کی (اس مشیت کی کہ وہ مغرب کے کفر اور اس کے فساد فی الارض کے باوجود کیوں اسے ڈھیل دئے جا رہا ہے؟) کچھ وجوہ سمجھ میں آتی ہیں:

ایک تو یہ کہ اللہ کو بہر حال اس کائنات کا نظام چلانا ہے اور اس کا اصول یہی ہے کہ وہ انسانوں کا ایسا گروہ ہونا چاہئے جو اس انتظام کی صلاحیت رکھتا ہو۔اب دنیوی نظام چلانے کے لئے اللہ تعالیٰ اگر مغرب کو Replace کرنا چاہے تو ضروری ہے کہ اس کا بہتر متبادل موجود ہو۔اللہ کے فیصلے اللہ بہتر جانتا ہے۔لیکن جو چیز اس وقت ہمیں کھلی آنکھوں نظر آتی ہے وہ یہ کہ دنیوی صلاحیتوں کے لحاظ سے مغرب خصوصا امریکہ سے بہتر متبادل موجود نہیں ہے۔مسلمان اپنے آپ سے غافل پڑے ہیں۔کمیونزم ایک متبادل بن کے ابھرا تھا لیکن وہ مغرب سے بھی بدتر نکلا، لہذا قدرت پہلے بہتر متبادل کا انتظام کرے گی تو پھر مغرب کے قلعے زمین بوس کرے گی۔

دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ جس طرح بندوں کے درمیان انصاف کرنے کے لئے آخرت میں میزان عدل قائم کریں گے، اسی طرح یہ کیسے ممکن ہے کہ دنیا میں انہوں نے فیصلے کرنے کے لئے میزان عدل نہ قائم کر رکھی ہو۔اب ایک قوم یا تہذیب کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے زمین میں غلبہ دیا کہ وہ دنیوی زندگی میں اسباب مہیا کرنے میں دوسروں

سے برتر تھی اور پھر ایک وہ وقت آیا کہ اس کی یہ صلاحیت گھٹتی چلی گئی، وہ فساد فی الارض میں مبتلا ہوتی گئی، تو اب یقیناً خدا کی میزان حرکت میں ہوگی اور جب وہ دیکھے گی کہ اس قوم اور تہذیب کی نفع آوری اب کم ہوگئی ہے اور مقابلتاً فساد بڑھ گیا ہے تو اس کے عذاب کا کوڑا حرکت میں آجائے گا، ہمارے کہنے کا مدعا یہ ہے کہ تہذیب مغرب کے مفسد ہونے کے باوجود اسے اللہ نے اس لئے مہلت عمل دے رکھی ہے کہ وہ انسانوں کے لئے نفع آور بھی ہے۔ عرصے سے اس کا فساد بڑھ رہا ہے، اب اندازہ یہ ہے کہ کسی بھی وقت اس کا فساد اس کی نفع آوری سے بڑھ جائے گا اور جب بھی اللہ کی میزان میں ایسا ہوا وہ ایک جھٹکے سے ڈھیلی رسی کو کھینچ لے گا اور مغرب منہ کے بل زمین آرہے گا۔

۱۔ اور معاف کیجئے اللہ کو اپنے فیصلے کرنے میں دیر نہیں لگتی، وہ تو بس کن کہتا ہے اور کام ہوجاتا ہے۔ وہ جب بادشاہوں کو غلام اور غلام کو بادشاہ (آج کل کی اصطلاح میں ایک سپر کو معمولی ملک اور ایک معمولی ملک کو سپر پاور) بنانا چاہتا ہے تو اسے دیر نہیں لگتی جیسا کہ قرآن حکیم نے آل فرعون کے حوالے سے ذکر کیا ہے:

'اور ہم یہ ارادہ رکھتے تھے کہ مہربانی کریں ان لوگوں پر جو زمین میں ذلیل کر کے رکھے گئے تھے اور انہیں پیشوا بنادیں اور انہیں کو وارث بنائیں اور زمین میں ان کو اقتدار بخشیں اور ان سے فرعون وہامان اور ان کے لشکروں کو وہی کچھ دکھلائیں جس کا انہیں ڈر تھا۔ (القصص: ۵، ۶)

تو خلاصہ یہ کہ قرآن حکیم کے محکم فیصلے کے مطابق مغرب کا نظریۂ حیات غلط اور باطل ہے، اس نے فساد فی الارض کو جنم دیا ہے لہذا مغرب کا زوال طے ہے۔

دلیل صبح روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
افق سے آفتاب ابھرا، گیا دور گراں خوابی

عروق مردۂ مشرق میں خون زندگی دوڑا
سمجھ سکتے نہیں اس راز کو سینا وفارابی

مسلماں کو مسلماں کردیا طوفان مغرب نے
تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی

عطا مومن کو پھر درگاہ حق سے ہونے والا ہے
شکوہ ترکمانی، ذہن ہندی، نطق اعرابی

باب پنجم

مسلم نشاۃ ثانیہ کی اساس اور لائحہ عمل

تمہید

پچھلے ابواب کے مندرجات پر ایک نظر ڈالئے۔ پہلے باب میں ہم نے بتایا کہ عروج وزوال کے باب میں اللہ کی سنت کیا ہے؟ دوسرے باب میں ہم نے بتایا کہ مسلمانوں نے عروج کے تقاضوں کو پورا کیا تو اسلامی تہذیب دنیا پر ایک ہزار سال تک غالب رہی۔ پھر مسلمانوں نے اپنے نظریۂ حیات پر کما حقہ عمل چھوڑ دیا تو وہ قعر مذلت میں جا گرے، ان کا نظریۂ حیات صحیح اور سچا ہے اور اب بھی اگر وہ اس پر کما حقہ عمل کریں تو بازی جیت سکتے ہیں۔ پھر اس تیسرے باب میں ہم نے بتایا کہ مغرب کا نظریۂ حیات غلط ہے لیکن اس نے ان فطری اصولوں پر عمل کیا جن سے اسباب دنیا کا حصول ممکن ہے تو وہ دنیا پر قابض ہو گیا۔ پھر یہ باطل نظریۂ حیات برگ وبار لایا اور اس نے زمین کو فساد سے بھر دیا اور اب وہ محروم اقتدار ہونے کو ہے۔ یہ کڑا وقت ہے اور فیصلہ کن موڑ ہے اگر مسلمان بحیثیت ملت اپنے ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اپنے نظریۂ حیات سے اس طرح جڑ جائیں جس طرح اس کا حق ہے تو زمین کے وارث وہی ہوں گے، خلافت اور اقتدار انہی کو ملے گا، لیکن اگر وہ نہ سمجھے، اگر وہ نہ اٹھے، اگر انہوں نے صحیح سمت میں جدوجہد نہ کی تو ممکن ہے خدا کوئی اور قوم، کوئی اور تہذیب پیدا کر دے جو اس خلاء کو پورا کرے، جو مغرب کے ہٹائے جانے کے بعد اس کی جگہ لے۔ (بلکہ جارج برنارڈ شاہ تو بہت پہلے پیشن گوئی کر چکے ہیں کہ مغرب اسلام قبول کر لے گا۔ (بحوالہ محمد حسین ہیکل ص ۴۱۵)۔

ہمارا موقف یہ ہے کہ مسلمانوں کا نظریۂ حیات چونکہ صحیح ہے اس لئے ان کے اندر مغرب کی جگہ لینے کی صلاحیت موجود ہے۔ ضرورت صرف صحیح حکمت عملی اور صحیح لائحہ عمل طے کر کے اس پر عمل کرنے کی ہے۔ یہ حکمت عملی اور لائحہ عمل کیا ہو سکتا ہے اس پر ہم انشاء اللہ اگلے باب میں روشنی ڈالیں گے۔

فصل اول

مسلم نشأۃ ثانیہ کی اساس

ہم مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا نظریۂ حیات صالح اور فطری ہے، مگر ہمارا نظریۂ حیات ہے کیا؟ ایمان باللہ، ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرت۔ اس نظریے سے محکم وابستگی نہ صرف اس دنیا میں مسلم امت کی کامیابی اور عروج کی ضامن ہے (جیسا کہ عملاً ہم نے معلوم دنیا کے ایک بڑے حصے پر ایک ہزار سال تک حکمرانی کی ہے) بلکہ اس کے ہر فرد کے لئے آخرت میں بھی فوز و فلاح کی ضمانت ہے، آج اگر مسلمان امت دنیا میں کامیاب و کامران نہیں ہے تو اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے نظریۂ حیات سے محکم وابستگی کھو چکی ہے، لہذا محکومی کمزوری اور ذلت و رسوائی اس کا مقدر بن چکی ہے، سادہ لفظوں میں یہ کہ مسلم امت کے عروج کا سبب اسلامی تعلیمات پر کماحقہٗ عمل کرنا تھا اور اس کے زوال کا سبب یہ ہے کہ اس نے اسلام پر عمل ترک کر دیا ہے اور اس کے دوبارہ عروج و غلبے کی ایک ہی صورت ہے کہ وہ اسلام پر صحیح معنوں میں عامل ہو جائے۔

کسی بھی قوم کی قوت عمل کا انحصار اس کے اپنے نظریۂ حیات سے جڑے رہنے پر ہوتا ہے کیونکہ جس نظریۂ حیات کو وہ مانتی ہے اس پر پختہ یقین اور اس کا صحیح فہم ہی اس کے لئے قوت محرکہ بنتا ہے، مسلمان چونکہ اسلامی تعلیمات کی حقانیت پر ایمان رکھتے ہیں لہذا ان کے لئے قوت محرکہ صرف یہی چیز ہو سکتی ہے کہ وہ ان تعلیمات سے حقیقی وابستگی اختیار کریں۔

اسلام کے علاوہ اس وقت جتنی بھی تہذیبیں ہیں ان کے پیش نظر صرف دنیا کی ترقی ہے، مسلمانوں کی مجبوری یہ ہے کہ جس نظریۂ حیات پر وہ یقین رکھتے ہیں اس کی رو

سے انہیں محض دنیا کی ترقی مطلوب نہیں بلکہ دنیا وآخرت دونوں میں ترقی کی ضمانت دیتا بھی ہو تو وہ مسلمانوں کے لئے فضول ہے، کیونکہ وہ آخرت کی ترقی کی ضمانت نہیں دیتا اور مسلمان اپنے عقیدے کی رو سے یہ ماننے پر مجبور ہے کہ **من یتبع غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ** ' (آل عمران: ۸۵) لہذا آخرت میں نجات کا انحصار صرف اسلام پر عمل کرنے میں ہے یوں ایک مسلمان مجبور ہے کہ دنیا میں ترقی کے لئے صرف اسلام کی طرف رجوع کرے۔

اپنے نظریہ حیات کو غالب کرنے کا جذبہ ہی افراد قوم کو قربانی دینے پر اکساتا ہے، دوسری قوموں میں یہ جذبہ صرف دنیوی ترقی کی خاطر پیدا ہوتا ہے جب کہ ایک مسلمان کے سامنے دنیوی ترقی کے علاوہ آخرت میں اللہ کی خوش نودی اور جنت کی پائیدار نعمتیں ہوتی ہیں لہذا اس کا جذبہ قربانی دوسروں سے بڑھ کر قوی ہوتا ہے۔

ایک مسلمان اسی وقت مسلمان ہوتا ہے جب وہ اپنے مخصوص نظریہ حیات پر ایمان رکھتا ہو لہذا وہ مجبور ہے کہ وہ کسی دوسرے نظریہ حیات کو نہیں اپنا سکتا، پھر اس وقت اسلام کے علاوہ دنیا میں کوئی صالح اور فطری نظریہ حیات موجود ہی نہیں یعنی ایسا نظریہ جو خدا، رسول اور آخرت کو بھی مانتا ہو اور دنیوی ترقی کا بھی ضامن ہو، آج کے مسلمان میں عمل کے لحاظ سے ہزار کمزوریاں موجود ہیں لیکن وہ اپنے اسلام کی قیمت نہیں چکا سکتا، اس گئی گزری ایمانی حالت میں بھی مسلمانوں کی اکثریت کا یہ حال ہے کہ انہیں کہا جائے کہ اسلام چھوڑ دو، ہم تمہیں مال دیتے ہیں، گاڑی دیتے ہیں، بنک بیلنس دیتے ہیں، کار کوٹھی دیتے ہیں، تو وہ ہرگز نہیں مانیں گے اور اسلام کو ترک نہیں کریں گے۔ گویا مسلمان اس دنیا میں ترقی ضرور کرنا چاہتے ہیں، لیکن ایمان اور اسلام کی قیمت پر نہیں۔ اب دیگر ادیان اور تہذیب چونکہ اسلام مخالف ہیں اور اسلام کا رخ مثلاً اگر مشرق کی طرف ہے تو ان کا رخ مغرب کی طرف ہے تو اب ایک مسلمان لامحالہ بیک وقت مغرب اور مشرق کی طرف تو نہیں چل سکتا اور اگر چلنے کی کوشش کرے گا تو ظاہر ہے کہ وہ کہیں بھی نہیں پہنچے گا

اور اس کی محنت رائیگاں جائے گی، لہذا ایک مسلمان غیر اسلام پر عمل کر کے کبھی بھی دنیا میں ترقی و عروج نہیں پا سکتا۔ اگر وہ ترقی و عروج چاہتا ہے تو یہ اس کی مجبوری ہے کہ وہ اپنے نظریۂ حیات یعنی اسلام سے جڑ جائے اور اس سے محکم طور پر وابستہ ہو جائے کیونکہ اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی آپشن ہی نہیں۔

مغربی تہذیب مسلم نشأۃ ثانیہ کی اساس نہیں بن سکتی

۱۔ مغربی تہذیب کی فکری اساس الحادی ہے۔ سیکولرزم اور ہیومنزم وغیرہ کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہر شخص مادر پدر آزاد ہے اور وہ جیسے چاہے زندگی گزار سکتا ہے، خدا اگر کوئی ہے بھی تو اس کا ان کی اجتماعی زندگی میں کوئی دخل نہیں اور زندگی بس یہی دنیا کی زندگی ہے، اسی کی فکر کرنی چاہیے، ان افکار کے نتیجے میں یہ بآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ اہل مغرب کی زندگی میں خدا، رسول اور آخرت وغیرہ کا کوئی کردار نہیں اور یہ کہ ان کے سارے علوم اور ان کے سارے اجتماعی رویے اسی نکتہ نظر پر مبنی ہیں، لہذا اس امر میں کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں کہ اسلام اور مغربی تہذیب کے راستے ایک دوسرے سے مختلف ہی نہیں ایک دوسرے کے بالکل الٹ ہیں، لہذا ان دونوں کا اجتماع ممکن ہی نہیں کہ یہ اجتماع ضدین ہے اسلام اور مغربی تہذیب کی مثال دو متوازی بہنے والے دھاروں کی ہے جو کبھی مل نہیں سکتے۔

۲۔ یہ بھی واضح ہے کہ مغرب کے پیش نظر صرف دنیا ہے اور اسلام کے پیش نظر دنیا اور آخرت دونوں ہیں، مغرب کی فکر چونکہ الحادی ہے، لہذا مسلمان اگر مغربی تہذیب کی پیروی کریں گے تو آخرت سے بہر حال جائیں گے۔ رہی دنیا تو مسلمان دنیا میں بھی اس تہذیب کی پیروی کر کے ترقی نہیں کر سکتے کیونکہ الحاد اور اسلام یکجا ہو ہی نہیں سکتے۔ اس سے مسلمان شخصیت کا فکری انتشار ذہنی، عدم یکسوئی اور نظریاتی کشمکش کا شکار ہو جانا لابدی ہے اور ان وجوہ سے مستحکم مسلم

شخصیت جنم لے ہی نہیں سکتی یہی وجہ ہے کہ آج کی مسلم دنیا علمی عملی دونوں لحاظ سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے اور مغربی تہذیب کی پیروی نے ان کا کوئی مسئلہ حل نہیں کیا۔

۳۔ مغرب کی اسلام دشمنی اب روزروشن کی طرح واضح ہوگئی ہے ،افغانستان اورعراق کا حشر سب کے سامنے ہے شام اور ایران کی باری قریب آتی نظر آرہی، ہے یورپ وامریکہ میں مسلمان اہل مغرب کی نفرت وحقارت اور بدسلوکی بلکہ ظلم وستم کا شکار ہورہے ہیں اور جو مسلمان ممالک بے غیرت بن کر امریکہ کا ساتھ دے رہے ہیں ان کی باری بھی کسی نہ کسی بہانے آنے والی ہے کیونکہ بھیڑیا میمنے کو کھانے کے لئے کوئی بھی بہانہ تراش سکتا ہے اور جس معاشرے میں جنگل کا یہ قانون نافذ ہو جائے کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس، وہاں کوئی دلیل کارگر نہیں ہوسکتی۔

اس مسلم دشمنی بلکہ مسلم کشی کے کئی عوامل ہیں۔یہودی امریکہ کو مسلمانوں سے لڑا کر دونوں کو کمزور کررہے ہیں تاکہ اپنے مذموم مفادات حاصل کرسکیں۔سیموئیل ہنگٹن اورفوکویاما جیسے دانشور اہل امریکہ کو سمجھا رہے ہیں کہ صرف اسلام ہی ان کے تہذیبی غلبے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، امریکہ ساری دنیا خصوصاً مسلم معاشروں کے معاشی وسائل پر قبضہ کرنا چاہتا ہے،امریکہ میں عیسائی بنیاد پرست زور پکڑ رہے ہیں بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ ان سب عوامل کے پیچھے اہل مغرب کا صلیبی بخار پوشیدہ ہے،مغرب آج بھی مسلمانوں سے نفرت کرتا ہے اوران کو مٹا دینا چاہتا ہے۔

ان حالات میں اگر مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں مغربی تہذیب کی پیروی کرنی چاہئے یا یہ کہ وہ مغرب کے تعاون سے ترقی کر سکتے ہیں تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ۔

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

کیا اس تہذیب نے انسان کا معاشی مسئلہ حل کر دیا ہے؟

ہرگز نہیں کہ چند امیر مغربی ممالک کے علاوہ اور وہ بھی محض اس لئے امیر ہیں کہ وہ ساری دنیا کے وسائل ظلم وتعدی اور استحصال سے خود نچوڑ رہے ہیں، کیا عراق پر پہلا حملہ اس لئے کیا گیا کہ انصاف وجمہوریت کا بول بالا کرنا مقصود تھا۔ ہرگز نہیں! اصل مقصد سعودیہ، کویت اور امارات کے تیل کے چشموں پر قبضہ کرنا تھا، چنانچہ وہ اس بہانے ہو گیا کیا آپ سمجھتے ہیں کہ افغانستان پر قبضہ جمہوریت کی اعلی اقدار کے تحفظ کے لئے کیا گیا تھا؟ جی نہیں! دنیا کو بے وقوف بنانے کے لئے، البتہ نعرہ یہ ہی لگایا گیا تھا، لیکن اصل مقصد علاقے خصوصا وسط ایشیائی مسلم ریاستوں کے تیل اور معدنی ذخائر تک پہونچنا تھا ،کیا عراق پر دوسرا حملہ صدام کی آمریت ختم کرنے اور عراقی عوام کے بنیادی حقوق بحال کرنے کے لئے کیا گیا تھا؟ نہیں! صرف عراقی تیل پر قبضہ کرنے کے لئے، یہ محض چند مثالیں ہیں ورنہ سارے معاملات کا تجزیہ کر کے دیکھ لیجئے آپ اسی نتیجے تک پہنچیں گے۔

دنیا کے عوام بھوکے مر رہے ہیں۔ کسی کو آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کے ذریعے لوٹا جا رہا ہے، کسی کو ہتھیار بیچ کر لوٹا جا رہا ہے، کسی کو فنی مہارت کے نام پر لوٹا جا رہا ہے اور کون لٹ رہے ہیں؟ غریب! اور امیر ترین کون ہو رہا ہے؟ مغرب!

کیا مغربی تہذیب نے انسان کا سماجی اور معاشرتی مسئلہ حل کر دیا ہے؟

مغربی تہذیب اس میدان میں سب سے زیادہ ناکام ہوئی ہے۔ مغرب کا خاندانی نظام ختم ہو کر رہ گیا ہے، نکاح کا ادارہ تباہ ہو گیا، طلاقوں کی کثرت ہے، حرامی بچوں کی تعداد حلالیوں سے بڑھ گئی ہے، بے قید جنسی آزادی نے انسان کو حیوان بنا دیا ہے، شراب نوشی، زنا، عمل قوم لوط کی قانونا اجازت ہے اور اور کیا مغربی تہذیب نے انسان کا امن وامان کا مسئلہ حل کر دیا ہے؟

اس میں مغرب سب سے زیادہ ناکام ہے، نیویارک میں ایک رات بجلی چلی گئی تو چوری، ڈکیتی، زنا بالجبر کا طوفان مچ گیا، مغرب میں کسی کی جان ومال اور عزت محفوظ نہیں،

صرف پچھلی صدی میں مغرب میں دو جنگوں نے کروڑوں آدمیوں کو نگل لیا۔ لاکھوں مکان جلا دئے گئے۔ کروڑوں کھیت بھسم ہو گئے۔ کھربوں کا مالی نقصان ہوا۔ انسانی سطح پر جتنا نقصان ان دو جنگوں میں ہوا اتنا پوری انسانی تاریخ میں نہیں ہوا۔ کیا یہ کامیاب تہذیب کی نشانی ہے؟

کیا مغرب کا سیاسی نظام کامیاب ہے؟

ہرگز نہیں۔ نیشنلزم نے انسان کو نسل رنگ زبان اور علاقے کی بنیاد پر تقسیم کر دیا، وہ جمہوریت جس کے گن گاتے مغرب نہیں تھکتا اس کے سوا کیا ہے کہ وہ انسان پر انسان کی خدائی کی سب سے بڑی مظہر ہے، جہاں بنیادی کردار سرمایہ ادا کرتا ہے نہ کہ انسانی صلاحیتیں اور وسائل۔

......ہم کہتے ہیں کہ جب مغربی تہذیب معیشت، معاشرت، سیاست، امن وامان جیسے بنیادی شعبوں میں ناکام رہی ہے تو آخر اس کی کون سی کامیابی ہے جس کے ہم گن گائیں، سوائے سائنس وٹیکنالوجی میں ترقی اور تمدنی سہولتوں کے؟ تو کیا ہم محض سائنسی ترقی کے لئے اس تہذیب کو سر پہ اٹھاتے پھریں، خواہ اس نے ہمارا کوئی مسئلہ حل نہ کیا ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ مغربی تہذیب ناکام ہو چکی ہے۔ یہ ہے ہی ایک ناکام تہذیب، یہ بوڑھی ہو چکی ہے اور روبہ زوال ہے۔ اب گری کہ گری

خود بخود پکے ہوئے پھل کی طرح گرنے کو ہے
دیکھئے آخر کس کی جھولی میں گرتا ہے فرنگ

بلکہ اقبال تو بہت پہلے کہہ گئے ہیں:

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

یہ کہانی تھی مغربی تہذیب کی ناکامیوں کی۔

اسلام ایک شاندار تہذیب کی بنیاد بن سکتا ہے

اس کے برعکس اسلام کے اصول زندگی صحت مند و توانا ہیں، وہ انسانی فطرت کے مطابق بھی ہیں اور تعمیری بھی، وہ ایک شاندار تہذیب کی بنیاد بن سکتے ہیں، ان اصولوں کی بنیاد پر مسلمانوں نے ایک عظیم تہذیب کی بنیاد رکھی اور اسے پروان چڑھایا اور چھ سو سال تک عروج دیکھا۔ پھر جب انہوں نے اس کے سنہری اصول پر عمل کرنے میں تساہل سے کام لینا شروع کر دیا تو یہ عمارت بیٹھتے بیٹھتے بھی پانچ سو سال لے گئی۔ پھر یہ عمارت راکھ کا ڈھیر بن گئی، اب پچھلے ایک سو سال سے اس کی راکھ سلگ رہی ہے اور چنگاریاں بھڑکنے کو ہیں، یہ اسلامی تہذیب کی نشأۃ ثانیہ کا دور ہے، یہ بڑھاپے کے عمل سے گزر چکی ہے، اس کے دانت گرنے کے بعد چمکدار اور سیاہ بال دوبارہ اگنے شروع ہو گئے ہیں، یہ ایک تازہ دم، طاقتور، نوعمر اور نوخیز تہذیب ہے، جو جلد ہی جوان ہو کر اپنے جوبن پر پہنچ جائے گی اور مغرب کی بوڑھی ناکام اور روبہ زوال تہذیب کی جگہ لے لے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

یہ ایک پراسیس ہے اور اس پراسیس کو اب کوئی روک نہیں سکتا! جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اسلامی تہذیب کے احیاء کا پراسیس اب رکے گا نہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ ہمیں مسلمانوں سے بہت زیادہ امیدیں ہیں۔ یہ بات نہیں! ہمیں پتہ ہے کہ مسلمان ابھی کمزور ہیں، وہ خود مغربی تہذیب ہے، جیسا کہ ہم نے کہا کہ مغربی تہذیب بوڑھی ہو چکی ہے، یہ مر رہی ہے اور شمع جب بجھنے کو ہوتی ہے تو اس کا شعلہ ایک دفعہ زور سے بھڑکتا ہے اور جس طرح مرنے والے آدمی کو مرنے سے کچھ لمحے پہلے طاقت کا ایک جھٹکا لگتا ہے اور وہ سنبھل کر باتیں کرنے لگتا ہے، اسی طرح مغربی تہذیب کی بجھتی شمع کا شعلہ بجھنے سے پہلے آخری بار زور سے بھڑک رہا ہے۔ اس کے قہر کا سارا رخ ملت اسلامیہ کی طرف ہے، اس وقت مغرب مغلوب الغضب ہو کر (امریکہ کے سارے صدور میں جتنا جذباتی

بھڑکیلا اور غیر متوازن صدر بش جونیئر ہے اتنا آج تک کوئی امریکی صدر نہیں ہوا۔ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعات کے بعد وہ باؤلا ہو گیا ہے اور اس کی دیوانگی پر دنیا انگشت بدنداں ہے)، مسلم ممالک پر ٹوٹ پڑا ہے، اس کی ساری توپوں کا رخ اسلام کی طرف ہے۔ وہ ساری دنیا میں مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دے کر کچلنا چاہتا ہے اور کچل رہا ہے، لیکن اس سب کا نتیجہ کیا نکلا؟ ۲۳ جولائی ۲۰۰۲ء کو سی این این نے بتایا کہ ۱۱ ستمبر کے بعد اب تک ۳۴ ہزار امریکی مسلمان ہو چکے ہیں، یہ مغرب میں سب سے زیادہ پھیلنے والا مذہب بن چکا ہے اور اس کی رفتار اگر یہی رہی تو ۲۰۲۵ء میں امریکہ میں مسلمانوں کی اکثریت ہو جائے گی، اسے کہتے ہیں جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے، اسلام کی کامیابی کا سہرا مسلمانوں کے سر نہیں، مغرب اور اس کے سرخیل امریکہ کے سر ہے۔

مغرب اور امریکہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کیوں ہیں؟ صرف اس لئے کہ اسلام ان کا واحد مدمقابل ہے (کمیونزم تو شکست کھا کر مٹ چکا) اب وہ اسلام کو مٹانا چاہتے ہیں، وہ جتنا اس کو دبانے کی کوشش کریں گے وہ اتنا ہی ابھرے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کے خلاف مغربی تہذیب کی اس جنگ میں اسلامی تہذیب کی کامیابی اور نشاۃ ثانیہ یقینی ہے، اس لئے کہ اسے فروغ دینے والا مغرب ہے، مسلمان نہیں، لیکن یہ بتدریج ہوگا کہ مغرب کے ظلم و زیادتی کے نتیجے میں مسلمان اپنے دین سے جڑتے جائیں گے اور اپنی تہذیب سے وابستہ ہوتے جائیں گے یہاں تک کہ انتقامی کارروائیوں میں مشغول بوڑھا مغربی شیر تھک کر گر جائے گا، اور اسلامی تہذیب کا تازہ دم اور جواں سال شیر اس کی جگہ لے لے گا، یہ کوئی طویل پراسس نہیں شائد یہ ربع صدی ہی میں مکمل ہو جائے۔

فصل دوم

مسلم نشأۃ ثانیہ کی حکمت عملی

یہ سمجھ لینے کے بعد کہ مسلم امت کے دکھوں کا علاج صرف اسلام میں ہے اور صرف اس کی تعلیمات پر عمل کر کے ہی مسلمان دنیا میں ترقی کر سکتے ہیں اور آخرت میں کامیاب ہو سکتے ہیں اب ہمارے سامنے سوال یہ ہے کہ دین اسلام سے محکم وابستگی اور اس پر کما حقہ عمل کرنے کی صلاحیت مسلمان کیسے حاصل کر سکتے ہیں۔

'پھر ہم نے تمہارے درمیان ایک رسول بھیجا جو تمہیں ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے'۔ (البقرہ:۱۵۱)

بلکہ قرآن نے آگے جا کر یہ بھی ذکر کیا ہے کہ پہلے پیغمبروں کا طریق کار بھی یہی تھا:

'تحقیق کامیاب ہوا وہ جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا، جو اپنے رب کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا، یہی نصیحت پہلے صحیفوں میں بھی موجود تھی ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں (الأعلی: ۱۴، ۱۵ اور ۱۸، ۱۹)

گویہ دو نکاتی سادہ اور بنیادی فارمولا ہے:

۱۔ کتاب وحکمت کی تعلیم اور

۲۔ تزکیۂ نفس

تزکیۂ نفس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کا بندہ بننے کا جو علم انسان حاصل کرے وہ محض علم ومعرفت نہ رہے بلکہ اس کی شخصیت کا عملاً حصہ بن جائے۔ دوسرے لفظوں میں انسان کی شخصیت اس علم کے مطابق ڈھل جائے۔ لغوی لحاظ سے تزکیے میں دو مفہوم ہوتے ہیں ایک میل کچیل سے پاک صاف کرنا اور دوسرے اس صفائی کو جلا دینا اور بڑھانا گویا تزکیۂ

نفس یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس کو ہر قسم کی اخلاقی گندگی، بے راہروی برے کاموں اور گناہ ونافرمانی سے بچائے اور ہر قسم کے اچھے کاموں عمدہ اخلاق، اعلیٰ خصائل اور نیکی کے اعلیٰ درجے کو اپنے اندر پروان چڑھائے، اب ظاہر ہے ایک مسلمان کے نزدیک اچھے اور برے کا معیار وہی ہے جو اس کے خلاق ومالک نے اسے بتایا ہے۔

قرآن حکیم کے انداز سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کوئی وقتی فارمولا نہیں بلکہ ایک مستقل طریق کار ہے جو ہمیشہ کیلئے قابل عمل ہے۔ پہلے انبیاء کے لئے بھی یہی راہ عمل تھی ،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حکم دیا گیا کہ اسی کو اپنی حکمت عملی کی اساس بنائیں اور انبیاء کے تتبع میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین اور امت محمدیہ کے خیر امت ہونے اور کار نبوت کے جاری رکھنے کیلئے مستقبل میں بھی جو لوگ دعوت واصلاح اور فرد اور معاشرے کو بدلنے کا کام کرنا چاہیں ان کے لئے بھی راہ عمل یہی ہے۔ یہی بات امام مالکؒ نے فرمائی کہ جس نسخے سے عہد اول میں امت کی اصلاح ہوئی تھی اسی نسخے ہر عمل کرنے سے بعد کی ادوار میں بھی امت کی اصلاح ہوسکتی ہے، لہذا یہ بات یقین اور قطعیت کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ آج بھی ہمارے زوال کا علاج اور ہمارے دیگر مسائل کا حل اسی نسخے میں ہے کہ قرآن حکیم کی تعلیم کے ذریعے اور قرانی تعلیمات کی روشنی میں نفوس کا تزکیہ کیا جائے اور ایسے افراد تیار کئے جائیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت برضا ورغبت اور یکسوئی ودل جمعی سے کریں۔

ہم نے تزکیۂ نفس کا جو مفہوم سطور بالا میں بیان کیا ہے یعنی نفس انسانی کی ایسی تربیت کہ وہ اللہ کے احکام بجالائے اس کی معصیت سے بچ سکے اور نیکی کے کام اعلیٰ درجے میں سرانجام دے سکے وہ وسیع مفہوم کا حامل ہے جو اسلام کی اساس اور روح ہے اور دین کے سارے شعبوں (عقائد عبادات اخلاق اور معاملات وغیرہ) پر حاوی ہے۔

تعلیم وتزکیہ پر ترکیز سیاسی جدوجہد کے منافی نہیں

عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ دعوت اصلاح اور تعلیم وتزکیہ پر اصرار کرتے

ہیں وہ مسلم معاشرے کی اصلاح کیلئے اجتماعی اور سیاسی جدوجہد کو 'دنیاداری' کہہ کر اس سے اعتنا نہیں کرتے۔ ہمارے نزدیک یہ رویہ بالکل غلط ہے، کیونکہ مسلمان ریاستوں کو صحیح اسلامی ریاستیں بنانے کے لئے سیاسی جدوجہد ضروری ہے اور اس کام کی ایک شرعی حیثیت ہے لیکن یہ جدوجہد نہ تعلیم وتزکیہ کے اس مفہوم کی نقیض ہے جس کا ذکر ہم نے ابھی سطور بالا میں کیا اور نہ اس کی نعم البدل ہے حقیقت یہ ہے کہ:

۱۔ مسلمانوں کو قرآن کی تعلیم اور قرآن پر مبنی تعلیم دینا اور اس تعلیم کے مطابق ان کے نفوس کا تزکیہ کرنا یہ ایک بنیادی اور وسیع تر نوعیت کا کام ہے۔ سیاسی جدوجہد کا اس سے کوئی مقابلہ نہیں نہ سیاسی جدوجہد اس کا نعم البدل ہے۔

۲۔ جب تک مسلم عوام کی مذکورہ مفہوم میں تعلیم وتربیت کا انتظام نہ کیا جائے انہیں صحیح اسلامی حکومت کے قیام کے لئے نہ تو متحرک کیا جا سکتا ہے اور ان کی کی فعال اور نتیجہ خیز تائید حاصل کی جاسکتی ہے۔

۳۔ تعلیم وتزکیے کے مذکورہ نظام کے بغیر سیاسی قیادت کا وہ کیڈر مہیا ہو ہی نہیں سکتا جو مسلم معاشرے میں دین نافذ کر سکے ہاں! دین کے نام پر سیاست ضرور کی جاسکتی ہے۔

۴۔ تعلیم وتزکئے کے مذکورہ نظام کے بغیر نہ تو موجودہ مسلم حکمرانوں کے کردار میں کسی اسلامی تبدیلی کی توقع کی جاسکتی ہے اور نہ یہ امید کی جاسکتی ہے کہ آئندہ کوئی صحیح الخیال مسلم قیادت ابھر کر سامنے آسکے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ مسلم معاشرے میں مذکورہ بالا تعلیمی وتربیتی کام کے بغیر کوئی تبدیلی لائی ہی نہیں جاسکتی، یہ تو بالکل ایسے ہی ہے جیسے مضبوط بنیادوں کے بغیر ایک بلند وبالا عمارت کھڑی کرنے کی کوشش کی جائے۔

تعلیم سے ہماری مراد صرف دینی تعلیم نہیں

یہاں کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ تعلیم سے ہماری مراد صرف دینی تعلیم ہے، کیونکہ

اسلام میں دین اور دنیا کی کوئی تفریق نہیں ہے، بلکہ دنیا کا ہر وہ کام جو اخروی اور دینی مقاصد کے لئے کیا جائے عین دینی کام ہے۔

پھر اگر تعلیم کی غایت آپ کے سامنے ہو تو دینی اور دنیاوی تعلیم کے فرق کی حقیقت آپ کے ذہن میں مزید واضح ہو جائے گی، دینی تعلیم کی غایت یہ ہے کہ آدمی وہ علم حاصل کر لے جس سے راہ ہدایت اس پر واضح ہو جائے اور وہ اللہ کے احکام کے مطابق زندگی بسر کر سکے۔ یہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض عین ہے۔ اس سے زائد دینی علوم میں مہارت حاصل کرنا یا دنیوی ضرورتوں کے لئے مختلف علوم وفنون میں مہارت حاصل کرنا تو یہ فرض کفایہ ہے۔

دراصل تعلیم میں ہم جس چیز کو غیر اسلامی کہہ سکتے ہیں وہ دنیاوی علوم نہیں بلکہ علوم کو اس طرح حاصل کرنا ہے کہ اس سے تعلیم کی بنیادی غایت کی نفی ہوتی ہو جس غایت کے لئے شریعت نے علم حاصل کرنا فرض قرار دیا ہے یعنی خداشناسی وخود شناسی۔

اسلامی تعلیم کے اس معیار کے لحاظ سے جانچیں تو مسلم ممالک میں مروج جدید تعلیم کا بڑا حصہ غیر اسلامی ہے، کیونکہ وہ مغربی افکار کی نقالی، ان سے مرعوبیت اور خوشہ چینی پر مبنی ہے۔

اس فصل کے مضامین کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلم نشاۃ ثانیہ کی بنیادی ضرورت یہ ہے کہ صحیح اسلامی نظام تعلیم وتربیت کے ذریعے مسلم معاشرے میں انسان سازی کا کام کیا جائے، تعمیر سیرت وکردار کا کام کیا جائے اور زندگی کے ہر شعبے کے لئے ایسے افراد تیار کئے جائیں جو دین سے محکم طور پر وابستہ ہوں، جو ہر معاملے میں اللہ کی اطاعت کریں، جو اس سے محبت کریں، جو صرف اسی سے ڈریں، جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ہر قربانی دینے پر آمادہ ہوں، ایسے افراد زندگی کے جس شعبے میں بھی جائیں گے خواہ وہ سائنس وٹیکنالوجی کا شعبہ ہو یا معیشت وسیاست کا، وہاں اسلامی تبدیلی لے کر آئیں گے اور اس قابل ہوں گے کہ مسلمانوں کے زوال کو عروج اور ان کی ذلت ونکبت کو عزت وعظمت میں بدل دیں۔

فصل سوم

مسلم نشأۃ ثانیہ کا لائحہ عمل

یہودی دانشوروں نے پروٹوکولز مدون کر رکھے ہیں اور وہ برسوں پہلے سے ہر چیز کی منصوبہ بندی کرتے ہیں، عیسائی مغرب میں بھی بہت سے تھنک ٹینک بنے ہوئے ہیں، جو وہاں کے معاشرے کو درپیش مسائل کی تنقیح کرتے اور ان کے مناسب حل پیش کرتے ہیں، بدقسمتی سے مسلمانوں کے ہاں اس قسم کی منظم سوچ اور مستقل ادارے کم ہیں، جب کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلم نشأۃ ثانیہ جیسے اہم موضوع پر منظم طریقے سے سوچا جائے، اس کے لئے ہماری تجویز یہ ہے کہ ایک مرکز مطالعہ مسلم نشأۃ ثانیہ (Muslim Renaissance Study Center) قائم کیا جائے، جس میں مسلم امہ کے بہترین دماغ باقاعدگی سے جمع ہوں، وہ مسلم امت کے زوال کے اسباب اور اس کی نشأۃ ثانیہ کے طریقوں پر غور کریں اور امت کی رہنمائی کرتے ہوئے اس کے عروج اور غلبے کے لئے لائحہ عمل پیش کریں۔

بہرحال اس وقت چونکہ ایسا کوئی تحقیقی و تجزیاتی ادارہ موجود نہیں ہے اس لئے ہم یہاں انتہائی عجز کے ساتھ اپنی طالب علمانہ حیثیت میں ملت اسلامیہ کی نشأۃ ثانیہ کے لئے مختلف شعبہ ہائے زندگی سے متعلق ایک لائحہ عمل پیش کرتے ہیں تاکہ وہ امت کے فہیم عناصر کے لئے مزید سوچ کی ترغیب کی بنیاد بن سکے۔

۱۔ اتحاد

اتحاد امت مطلوب ہے کیونکہ یہ نہ صرف ایک شرعی تقاضا ہے بلکہ عروج امت

اور مسلمانوں کی نشأۃ ثانیہ کا بنیادی ذریعہ بھی ہے۔ اتحاد امت کے موجودہ ادارے چونکہ فعال طریقے سے کام نہیں کر رہے ہیں اس لئے اتحاد اور اتحاد کے فوائد حاصل کرنے کے لئے یہ کیا جا سکتا ہے کہ پہلے مرحلے میں اتحاد کے موجودہ پلیٹ فارموں کو استعمال کیا جائے اور انہیں فعال بنانے کی تگ و دو کی جائے۔

موتمر عالم اسلامی: موتمر موزوں ترین پلیٹ فارم ہے جس کے ذریعے اتحاد کے کاز کو آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔ موتمر کو فعال بنانے کے لئے اس سے دو سطحوں پر کام لیا جا سکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اس کے ذریعے مسلم عوام میں اتحاد امت کی تحریک چلائی جائے تاکہ گراس روٹ لیول پر اتحاد کے جذبات کو فروغ ملے جس کا اثر لازما امت کے سوچنے سمجھنے والے اور مقتدر عناصر پر پڑے گا، دوسرے موتمر کے موثر ارکان کے ذریعے مسلم حکمرانوں تک پہنچنے کی کوشش کی جائے اور ان میں سے جو لوگ تعاون کریں ان کے ذریعے اتحاد امت کے مقصد کو آگے بڑھایا جائے۔

رابطہ عالم اسلامی: رابطہ کے ذریعہ دعوت واصلاح اور تعلیم و تربیت کے کاموں کو موثر بنایا جا سکتا ہے۔

اسلامی کانفرنس تنظیم: اسلامی کانفرنس تنظیم کو موثر اور فعال بنانے کیلئے مندرجہ ذیل اقدامات کئے جائیں:

۱۔ ان مسلمان ملکوں کو منظم کیا جائے جو اتحاد امت کے سنجیدہ حامی ہیں اور مسلم دشمن قوتوں کے ہتھکنڈوں کو سمجھتے ہیں اور ان کا ایک مضبوط گروپ بنایا جائے تاکہ ان سے کام لیا جا سکے۔

۲۔ تنظیم کو سعودی عرب کے مالی وانتظامی شکنجے سے نکالا جائے۔

۳۔ اسے مغربی ممالک اور ان کی ایجنسیوں کے اثرات سے پاک کیا جائے۔

۴۔ تنظیم کو اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل کی مستقل نشست دلائی جائے۔

۵۔ اس کے ذریعہ مسلم امہ کی نشأۃ ثانیہ کی مجوزہ اسٹریٹیجی پر عمل درآمد کی کوشش کی

جائے، جیسے مشترکہ دفاع، مشترکہ کرنسی وتجارت، مشترکہ سائنسی وتحقیقاتی ادارے، مشترکہ نیوز ایجنسی اور ٹی وی چینل کا قیام وغیرہ۔

اگر مذکورہ تنظیموں کے ذریعے کام نہ چلا جا سکے، تو دوسرے مرحلے میں مسلم نشاۃ ثانیہ کے لئے اسلامی ممالک کے دینی حمیت رکھنے والے عناصر اور حکمرانوں کے ذریعے ایک نئی بین الملی تنظیم بنائی جائے جو مسلم ممالک کے درمیان موثر اتحاد قائم کرے گی۔

۲۔ مسلم ممالک کی داخلی سیاست

۱۔ مسلم ممالک کے حکمرانوں کو توجہ دلانا کہ وہ خدا کی خوشنودی اور مسلم عوام کی خواہش کے مطابق اپنے اپنے ملک میں اسلام نافذ کریں۔

۲۔ مسلم ممالک میں ان سیاسی قوتوں اور دینی تحریکوں کی حوصلہ افزائی کرنا جو اپنے علاقے میں اسلام نافذ کرنا چاہتی ہیں۔

۳۔ مسلم حکمرانوں اور مسلم ممالک کے سیاسی واسلامی عناصر کو اسلام ومسلم دشمن قوتوں کی سازشوں اور مغربی فکر وتہذیب کی بالادستی کی کوششوں اور ان کے نتائج وعواقب سے آگاہ کرنا، انہیں اتحاد امت کی ضرورت کا احساس دلانا اور اس غرض کے لئے انہیں متحرک کرنا۔

۴۔ جن مسلم ممالک میں حکمران سیکولرسٹ، مغرب پرست، اشتراکی اور بے دین ہیں اور اسلامی عناصر کو کچلنے کی کوشش کرتے ہیں وہاں مقامی مسلم عوام کی بیداری اور اتحاد کی حوصلہ افزائی کرنا۔

۵۔ حکومت وسیاست کے اسلامی تصورات (مثلاً حاکمیت الٰہ۔شوریٰ، عدل ومساوات، اطاعت امام وغیرہ) کو مخلص اور لائق مجتہدین اور ماہرین کی مدد سے جدید اداروں کی شکل دینا اور مغرب سے اگر **الحکمہ ضالۃ المومن** کے اصول کے تحت اور انسانی تجربات کے طور پر امور مباحہ میں سے کچھ لینا ہی ہو تو

اسے مکمل اسلامی قالب میں ڈھالنا۔ان اداروں کی منظوری مسلم عوام سے لینا اوران کے تعاون سے ان پرعمل درآمد کرنا۔

۶۔ حکومت وسیاست کے مغربی نظام اور مغربی فکر پر مبنی سیاسی اداروں کو رد کرنا جیسے قوم پرستی ۔وطنیت ،جمہوریت ،انتخابات ، پارلیمنٹ ،سیاسی جماعتیں وغیرہ۔(مقصد یہ نہیں کہ یہ ادارے حرام ہیں بلکہ یہ ہے کہ اس طرح کے اداروں کی تشکیل اسلامی اصولوں پر کی جائے نہ کہ مغربی اصولوں پر۔

وضاحتیں

عوام اور حکمرانوں میں بعد

داخلی سیاست کے حوالے سے اس وقت امت کا سب سے گھمبیر مسئلہ یہ ہے کہ وہ اپنے دین اور روایات سے جڑے رہنا چاہتی ہے، بیشتر مسلم ممالک میں حکومت ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو اسلام اور اسلامی اقدار سے جان چھڑانا چاہتے ہیں، وہ مغربی تہذیب کے اسیر ہیں اور ان کی آنکھیں اس کی ظاہری چکا چوند سے چندھیا چکی ہیں ،سوال یہ ہے کہ اس صورت حال کا حل کیا ہو اور کون سی تدابیر اختیار کی جایں کہ مسلم ممالک کی حکومتیں ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں آجائیں جو دین کے مخلص ہوں، عوام کے مخلص ہوں اور عوام کے مسائل اسلامی حوالے سے حل کرنے کی خواہاں ہوں اور مسلم نشاۃ ثانیہ کے لئے بھی سنجیدہ کوششیں کرنے کے حامی ہوں؟

(الف) مسلم ممالک میں سیاسی میدان میں کرنے والی جدید دینی تحریکوں کو چاہئے کہ وہ مسلم عوام کو بیدار کریں اروان کے اندر بنیادی انسانی اور سیاسی حقوق کے حصول کی تڑپ پیدا کریں اور انہیں منظّم ومتحرک کریں۔

(ب) دینی تحریکوں نے عجلت سے کام لیا۔ایک مضبوط جتھے سے حکومت تو ختم کی جاسکتی ہے نظام کو نہیں بدلا جا سکتا۔پائدار تبدیلی صرف اسی صورت میں آتی ہے جب

عوام کسی دینی یا سیاسی آدرش کے لئے یکسو اور متحرک ہو جائیں دینی تنظیموں نے جب اپنے پر جوش معتقدین کی ایک قابل لحاظ تعداد دیکھی تو وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گئیں کہ اب منزل دور نہیں اور انہوں نے 'بزن' کا حکم دے دیا۔ حالانکہ سیاسی انقلاب کے لئے گرم جوشی دکھانے کے بجائے بہت ٹھنڈے دل و دماغ کی ضرورت تھی۔

(ج) بد قسمتی سے خلافت راشدہ کے فوراً بعد سیاسی نظام پٹڑی سے اتر گیا، اہل علم و دین سیاست سے کنارہ کش کر دیئے گئے اور اسلامی شورائیت کی جگہ قبائلی عصبیت، وراثتی نظام اور استبداد نے لے لی۔ امت نے معاشرے کے استحکام کی خاطر اس صورت حال کو بامر مجبوری قبول کر لیا، یہ صورت حال صدیوں تک جاری رہی اس طرح جمہوری روایات بد قسمتی سے مسلم معاشرے میں جڑیں نہ پکڑ سکیں ۔اسی کا ایک شاخسانہ یہ بھی ہے کہ پہلی جنگ عظیم کے بعد جب خلافت عثمانیہ کا خاتمہ ہوا اور پھر بتدریج مسلم ممالک آزاد ہونا شروع ہوئے تو کسی مسلم ملک میں جمہوریت نہیں آئی یا تو فوجی جنرلوں نے اقتدار پر قبضہ کر لیا اور اپنے ہی عوام کو فتح کر کے استبدادی حکومت قائم کر لی یا پھر اقتدار اگر کسی سیاسی گروہ کے پاس آیا تو اس نے بھی جبر اور آمریت کا ہی وطیرہ اختیار کیا، یوں کہا جا سکتا ہے کہ بیچارے مسلم عوام آج بھی محکوم و مجبور ہیں۔ کل ان کے حاکم انگریز فرانسیسی یا جرمن تھے آج اپنے ہی ان پر حاکم بنے ہوئے ہیں اور ان پر ظلم و جبر کے پہاڑ توڑ رہے ہیں۔

(د) اس صورت حال کا تیسرا بڑا سبب غیر مسلم طاقت ور ممالک (جنہیں سپر پاور بھی کہا جاتا ہے) کی اسلام اور مسلم دشمنی ہے، وہ ہمیشہ سازشیں کرتے رہتے ہیں کہ مسلم ممالک ترقی نہ کریں، ان کی مالی حالت بہتر نہ ہو، ان میں تعلیم عام نہ ہو جائے، ان میں جمہوریت نہ آ جائے، چنانچہ یہ بات حیران کن ہے کہ امریکہ اور

یورپی ممالک اپنے ہاں تو جمہوریت نافذ کیے ہوئے ہیں لیکن مسلم ممالک میں وہ آمروں کی بھرپور تائید کرتے ہیں تاکہ آمریت قائم ودائم رہے اور مسلم عوام سکھ کا سانس نہ لے سکیں۔

بہر حال موانع جو بھی ہوں حقیقی مسئلہ یہی ہے کہ مسلم معاشروں کے اندر وہ عناصر جو دینی نقطۂ نظر سے سیاسی تبدیلی چاہتے ہیں، طاقت کیسے حاصل کریں۔؟

مسلم تحریکیں پچھلے ۷۵ سال سے یہ کام کر رہی ہیں اور انہیں کہیں بھی کامیابی حاصل نہیں ہوئی (سوائے ایران کے جس کے اپنے مخصوص حالات تھے) لہذا ان تحریکوں کو اپنے حالات اور طریق کار کا تجزیہ کرکے اپنی ناکامیوں سے سبق سیکھنا چاہیے۔

حکمت عملی کے حوالے سے ہم یہاں ایک تجویز سنجیدگی سے ان جدید مسلم تحریکوں کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں اور وہ یہ کہ ان تحریکوں کو پہلے مرحلے میں خود کو متبادل حکمراں کے طور پر سامنے نہیں لانا چاہیے اور خود مسلم حکمرانوں کا حریف بن کر ان کے خلاف میدان میں نہیں اترنا چاہیے کیونکہ پچھلے چودہ سو سال سے امت اس کی خوگر نہیں رہی کہ سیاسی اقتدار علماء کے ہاتھ میں ہو، لہذا وہ علماء کا احترام تو کرتی ہے لیکن سیاسی اقتدار کی جدوجہد میں ان کا ساتھ نہیں دیتی۔

دینی سیاسی تحریکوں کے لئے صحیح لائحہ عمل

صحیح تصور دین یہ ہے کہ ریاست وسیاست دین کا ایک اہم جز ہیں اور یہ دونوں ادارے اگر اسلامی تعلیمات کے مطابق کام نہ کر رہے ہوں تو وہ بڑی خرابی کا باعث بنتے ہیں، لہذا ان کی اصلاح کرنا مقاصد دین میں سے ہے، یہ ہے سیاست کا دین میں صحیح مقام، اب جو لوگ افراط سے کام لیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ سیاسی کام ہی اصل دینی کام ہے باقی ہیر پھیر ہے۔ جو لوگ تفریط سے کام لیتے ہیں وہ کہتے ہیں اصل دین تو نماز روزہ اور ذکر وفکر ہے، رہی سیاست تو یہ محض دنیاداری اور حب جاہ ہے۔ ظاہر ہے یہ دونوں نقطہ ہائے نظر انتہا پسندی پر مبنی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اگر ریاست وسیاست کا نظام غیر

اسلامی بنیادوں پر چل رہا ہو تو دین میں بڑی خرابی پیدا ہو جاتی ہے اور دین کے دوسرے شعبوں میں بھی اسلامی احکام پر عمل کرنا مشکل ہو جاتا ہے، لہذا ریاست و سیاست کی اصلاح دینی لحاظ سے بہت ضروری ہے۔

پھر بعض لوگ یہ غلطی بھی کرتے ہیں کہ وہ ایک مسلم حکومت کے ساتھ جس کے سارے اعمال ان کی رائے میں اسلامی تعلیمات کے عین مطابق نہیں ہوتے، کافر حکومت کی طرح برتاؤ کرنے لگتے ہیں، یہ بالکل غلط ہے کیونکہ جس طرح ایک شخص جب کلمہ پڑھ لیتا ہے اور مسلمان ہو جاتا ہے تو قانونا اسے ایک مسلمان کے سارے حقوق مل جاتے ہیں خواہ اس کے عمل میں بعض کمزوریاں باقی ہی کیوں نہ ہوں، اسی طرح ایک ریاست مسلمانوں کی ریاست ہو، اس کے حکمران مسلمان ہوں وہ۔ اسلامی شریعت کی بالادستی کا اقرار کرتے ہوں، وہ ایک اسلامی ریاست ہے، اگر اس کے حکمرانوں کے بعض کام کسی کی رائے میں اسلام کے مطابق نہ ہوں تو پرامن ذرائع سے ان کی اصلاح کی جانی چاہیۓ، جس طرح کہ ایک بے عمل مسلمان کی اصلاح کی جاتی ہے، لیکن ایسی حکومت کو نہ تو کافر حکومت کہنا چاہیۓ اور نہ اس کے ساتھ کافروں جیسا سلوک کرنا چاہیۓ، ایسی حکومت کے خلاف نہ تو جہاد جائز ہے، نہ اس کے خلاف کسی طرح کی مسلح جدوجہد کی جاسکتی ہے اور نہ زیرزمین کاروائیاں کی جاسکتی ہیں، اس کی اصلاح کے لئے صرف پرامن اصلاحی جدوجہد ہی کا جاسکتی ہے۔

اسی طرح وہ ممالک جہاں مسلمان معمولی اقلیت میں ہوں، وہاں ان پر واجب نہیں ہوتا کہ وہ اس جگہ اسلامی ریاست قائم کرلیں، بلکہ انہیں چاہیۓ کہ مقامی حالات کے مطابق جہاں تک ہوسکے منظّم اجتماعی زندگی گزارنے کی کوشش کریں اور معروضی حالت میں یہ بھی عین اسلام کے مطابق ہوگا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کا سیاسی نظام ابتداء ہی سے پٹری سے اتر گیا تھا اور وہ اپنی آئیڈیل شکل میں تجربات کی بھٹی سے گزرتا ہوا قابل عمل اداروں کی صورت

میں پروان نہیں چڑھا، تاہم اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس معاملے ہم بالکل ہی تہی دست ہیں، ہمارے پاس قرآن وسنت کی صورت میں اصول موجود ہیں، خلفائے راشدین کا عمل موجود ہے، بعد میں قائم ہونے والی خلافت سوفیصد اسلامی آدرشوں کے مطابق نہ سہی بہرحال امت کا ایک عملی تجربہ تو ہے۔لہذا اسے بھی سامنے رکھا جاسکتا ہے اور عصری ضرورتوں اور مشکلات کو سامنے رکھتے ہوئے ہم عصر ریاست کے لئے ایک قابل عمل سیاسی ڈھانچہ اجتہاد کے ذریعے تشکیل دیا جاسکتا ہے۔

اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ مسلم ممالک میں ایسے علماء اور اسکالرز موجود نہیں ہیں جو اس طرح کے اجتہاد کے اہل ہوں بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں اکثر وبیشتر حالات میں ایسے حکمراں موجود نہیں ہیں جن کی نیت اور خواہش یہ ہو کہ وہ اسلامی تناظر میں ایک نیا سیاسی ڈھانچہ تشکیل دیں، ہمارے ہاں اکثر حکمران وہ ہیں جو امریکہ ویورپ کے ایجنٹ ہیں، ان کی تہذیب کے رسیا ہیں اور مغربی تہذیب اور اصولوں کو ہی مدار ترقی سمجھتے ہیں، لہذا بظاہر اسلام کا نام لینے کے باوجود وہ اصلا اسلامی تعلیمات کے مطابق سیاسی ادارے قائم ہی نہیں کرنا چاہتے، کیونکہ اس سے ان کے ذاتی اور طبقاتی مفادات کو ٹھیس پہنچتی ہے۔اگر عوام کا دباؤ شدید ہو تو وہ درخ اندوزی سے کام لیتے ہیں، لیکن یہ آدھا تیتر آدھا بیٹر والا معاملہ ہوتا ہے اور نیم دلی اور بددلی سے کئے گئے اس طرح کے اکثر اقدامات غیر موثر ثابت ہوتے ہیں۔

جمہوریت کی مخالفت

ہماری اس وضاحت سے کسی کو یہ وہم نہیں ہونا چاہئے کہ ہم جمہوریت کے مخالف ہیں۔ہم جمہوریت کے مخالف نہیں، بلکہ ہم تو آمریت کے مقابلے میں اس کے زبردست موید ہیں، دراصل ہم جس چیز کے مخالف ہیں وہ یہ ہے کہ مسلمان ممالک میں مغربی جمہوریت کی ہو بہو نقالی کی جائے۔یہ بالکل بے عقلی کی بات ہے کہ مسلمان ممالک جموریت کے مغربی ماڈل کی پیروی کریں کیوں کہ جمہوریت کا مغربی ماڈل غیر

اسلامی اصولوں پر مبنی ہے اور ہمیں بہر حال ایسا سیاسی نظام چاہئے جو ہمارے عقائد اور ہمارے آدرشوں کے مطابق ہو۔

سیاست خارجہ

ا۔ بنیادی اصول

(الف) قرآن کہتا ہے کہ کفار مسلمانوں کے دشمن ہیں اور انہیں دین سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں اور مسلمانوں سے جس ظاہری دشمنی کا ان سے اظہار ہوتا ہے ان کی باطنی نفرت اس سے بھی شدید تر ہے۔ (آل عمران:۱۱۸)

(ب) نبی برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی فرمان ہے کہ 'الحرب خدعة' (بخاری کتاب الجهاد باب الحرب خدعة) یعنی جنگ میں دشمن کو شکست دینے کے لئے ہر طرح کی اسٹریٹیجی اختیار کی جاسکتی ہے اور لاریب اس وقت مسلم امہ حالت جنگ میں ہے اور یہ جنگ عالم کفر نے اس پر زبردستی تھوپی ہوئی ہے اور یہ امت کی بقاء کی جنگ ہے۔

(ج) اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ غیر مسلموں کا مسلمانوں پر سب سے بڑا حق یہ ہے کہ وہ انہیں اسلام کی تبلیغ کریں اور اسلام سمجھائیں تاکہ اللہ ان کے دل اسلام کے لئے کھول دے، لہذا مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ دعوت کا فریضہ سرانجام دیں اور اس کے لئے پوری قوت صرف کردیں۔ اسی طرح اسلام چونکہ امن وسلامتی کا دین ہے لہذا مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ غیر مسلم افراد اور قوموں کے ساتھ امن وآشتی سے رہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ جو اسلام دشمن قوتیں اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کیلئے جدوجہد کررہی ہیں، ہم انہیں صرف قرآن وحدیث کے وعظ سناتے رہیں، بلکہ ہمارا یہ کام بھی ہے کہ اپنی اور جسد ملت کی بہر طور حفاظت کریں اور دشمنوں کی مکمل ہزیمت کے لئے کسی قسم کی جد

وجہد سے پیچھے نہ ہٹیں، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا اسوہ ہے۔

(د) راس الکافرین اور راس الشیاطین کا درجہ اس وقت امریکہ کو حاصل ہے جو مغربی فکر وتہذیب کا نمائندہ اور اس وقت دنیا کی واحد سپر پاور بنا ہوا ہے اور اس کا رویہ خالصتاً فرعونیت اور شرک (انا ولا غیری) کا ہے لہذا اس کے خلاف ایسے اقدامات ضروری ہیں کہ وہ مستقبل میں مسلم ممالک کو مزید نقصان نہ پہنچا سکے اس کے لئے ہم درج ذیل اقدامات تجویز کرتے ہیں:

(الف) امریکیوں کو زیادہ سے زیادہ مسلمان کر کے منظّم کیا جائے

(ب) مسلمان زیادہ سے زیادہ امریکہ ہجرت کریں وہاں الگ الگ رہنے کے بجائے مجمعات (گروپوں کی شکل میں) اور اپنی الگ بستیوں اور محلوں میں رہیں، اپنے آپ کو ملکی سطح پر منظّم کریں اور طاقت کے مراکز تک پہنچنے کیلئے کوشاں رہیں۔

(ج) امریکیوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی جائے کہ یہودی لابی امریکی مفادات کے خلاف کام کر رہی ہے۔

(د) یہ کوشش کی جائے کہ اگر مستقبل میں کوئی جنگ ہو تو وہ مسلم ممالک کی بجائے امریکہ ویورپ میں ہو۔ اس جنگ کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ امریکہ سپر پاور نہ رہے اور نہ چین ویورپ سپر پاور بن سکیں اور مسلم امہ کو اس خلا میں سپر پاور بننے کا موقع مل جائے۔

(ھ) امریکہ ویورپ اور امریکہ وچین میں اختلافات سے فائدہ اٹھایا جائے۔

(و) مسلم ممالک وافراد امریکی (یورپی) بنکوں سے اپنا سرمایہ فوراً واپس منگوالیں۔

(ز) ہر مسلم حکومت کا پہلا ہدف یہ ہونا چاہئے کہ وہ امریکی دباؤ سے نکلے اور آزاد پالیسیاں اپنائے، امریکہ خدا نہیں ہے، لیبیا اور ایران نے اس کی علی الاعلان مخالفت کی تو امریکہ نے ان کا کیا بگاڑ لیا؟ لہذا ہر مسلم حکمران کو امریکہ کی سیادت سے انکار کر دینا چاہئے۔

(ح) اس امر سے ہرگز غافل نہ ہوا جائے کہ چین ہم مسلمانوں کا دوست نہیں ہے۔

(ط) کمیونزم کی شکست وریخت کے باوجود روس آج بھی دوسرے درجے کی عالمی طاقت ہے ،اور اسلام دشمنی آج بھی اس کا شیوہ ہے، لہذا اس کے خلاف مزاحمت اوراسے کمزور کرنا عالمی اسلامی غلبے کے لئے بہت ضروری ہے۔

(ی) اسرائیل کا خاتمہ ہر مسلمان کی اولین آرزو بلکہ حسرت ہے اوراس کے لئے ہر قسم کے سیاسی اورفوجی اقدامات جائز ہیں۔

اس مرحلے پرضروری ہے کہ ہمارا ذہن بالکل واضح ہو کہ دشمن کون ہے؟ دوست کون ہے؟ مقصداور ہدف کیا ہے؟لہذا دوٹوک انداز یں امت کے سامنے یہ رکھنا ضروری ہے کہ دشمن کون ہے اور یہ کہ دشمن کے ساتھ دشمن جیسا ہی سلوک کیا جاتا ہے اور دشمن کے خلاف وہی منصوبہ بندی کی جانی چاہئے جو ہر فرداور ہر قوم اپنے دشمن کے خلاف کرتی ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حالات مایوس کن ہیں اور ہم کمزوراور دشمن طاقتور ہےاور ہم غالبا اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تو ہم تو اس مایوسی کے قائل نہیں ۔ہمت مرداں مدد خدا۔آخرکس نے ہماری تقدیر کا لکھا ہمیں پڑھ کر بتادیا ہے کہ ہماری تقدیر میں رات کی تاریکی ہے.........نہیں ہمارے مقدر میں صبح کا اجالا بھی ہےاوران شاء اللہ وہ بہت دور نہیں **الیس الصبح بقریب** (ھود:۸۱) کیا صبح قریب نہیں آن لگی؟

۳۔دفاع

۱۔ نوجوانوں میں روح جہاد پیدا کرنا

۲۔ مسلمان حکومتوں کودفاع کے معاملے میں مشترکہ کوششوں پرابھارنا

۳۔ مسلمان ممالک کے درمیان مشترکہ دفاع کا معاہدہ کروانا جس میں کسی ایک مسلمان ملک پرحملہ سب پرحملہ تصور کیا جائے اورسب اس کے دفاع کے پابند ہوں۔

۴۔ مسلم ممالک کے مشترکہ سرمائے سے روایتی اور جدید اسلحہ سازی (تحقیق ومینوفیکچرنگ)خصوصا ایٹمی صلاحیت ،میزائل ولیزرٹیکنالوجی ،طیارہ سازی وغیرہ کے مشترکہ ادارے قائم کرنا۔

۵۔ جدید اسلحے سے لیس مسلم ممالک کی مشترکہ سریع الحرکت فوج قائم کرنا، جس میں سب مسلم ممالک کے فوجی ہوں تاکہ وہ بوقت ضرورت کسی بھی مسلم ملک کی مدد کر سکے۔

۶۔ ہر مسلمان نوجوان کو لازمی فوجی تربیت دینا۔

۷۔ افواج کی تربیت اسلامی نقطۂ نظر سے کرنا تاکہ ہر سپاہی اور افسر پختہ ایمان کا حامل عملی مسلمان اور جذبہ جہاد سے سرشار ہو۔

۸۔ مضبوط فوج (بری بحری اور ہوائی) کی تیاری جو ہر قسم کے جدید اسلحہ سے لیس ہو جو اپنوں کے لئے باعث قوت اور دشمنوں کے لئے باعث ہیبت ہو۔

۴۔ تعلیم و تربیت

۱۔ مسلمان حکومتوں کو توجہ دلانا کہ وہ نظام تعلیم و تربیت کو اسلامی بنیادوں پر استوار کریں۔

۲۔ مسلم کمیونٹی کو متحرک کر کے اور اس کی مدد سے جہاں تک ہو سکے مسلم ممالک میں مروج نظام تعلیم کی اصلاح کرنا اور تعلیم و تربیت کے صحیح اسلامی تصور کے مطابق تعلیمی و تربیتی ادارے قائم کرنا۔

۳۔ جدید علوم کے نصابات کی اسلامی تصور علم کے مطابق تدوین و تشکیل نو کرنا اور ضروری دینی علوم کو جدید تعلیم کا لازمی حصہ بنانا۔

۴۔ جب دینی تعلیم ایک تخصص کے طور پر دی جائے تو اس میں عصری علوم وفنون کی تفہیم کا بھی انتظام کرنا۔

۵۔ طلبہ کی تربیت و تزکیہ کو تعلیم کا لازمی جزو بنانا

۶۔ مغربی فکر و تہذیب کے رد و ابطال کو ہر سطح کی تعلیم کے قالب و روح میں شامل کرنا۔

۷۔ مسلم معاشرے میں سو فیصد خواندگی کے لئے ہر ممکن وسیلہ استعمال کرنا۔

۸۔ اسلامی حدود میں رہتے ہوئے اور ماضی کے تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تعلیمی اداروں میں طلبہ کی تربیت وتزکیہ کا فعال نظام قائم کرنا کیونکہ فرد ہی اجتماعیت کی بنیادی کڑی ہے اور اس کی اصلاح پر ہی سارے معاشرے کی اصلاح کا دارومدار ہے۔

۹۔ ہر شعبہ زندگی میں صحیح الفکر علماء اور اسکالر پیدا کرنے کے لئے ایسے تعلیمی اداروں کا فروغ جہاں رسوخ فی العلم، حریت فکر، تجربہ وتحقیق، تزکیہ وتربیت اور عصری تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کا احساس غالب ہو۔

۱۰۔ جدید تعلیم کے اس نظام کا انہدام جو ملحد مغربی فکر پر مبنی ہے اور اسلامی اصولوں پر اس کی تشکیل نو خصوصاً انگریزی ودیگر مغربی زبانوں کی بالادستی کا خاتمہ

۱۱۔ مسلم ممالک کے مشترکہ سرمائے سے اتنے اعلیٰ پائے کے تعلیمی وتحقیقی اداروں کا قیام خصوصاً سائنس وٹیکنالوجی کے شعبے میں جو امت کی تیز رفتار ترقی کا سبب بنیں تاکہ ہمیں اپنے بچوں کو یورپ وامریکہ نہ بھجوانا پڑے اور اگر بھجوانا پڑے تو اس امر کا انتظام کہ جو بچے وہاں جائیں وہ وہاں کے معاشرے کو متاثر کریں، نہ کہ خود وہاں سے متاثر ہو کر واپس آئیں۔

۱۲۔ اسلامی تناظر میں اساتذہ کی تربیت کا اہتمام کرنا تاکہ فن تعلیم کے علاوہ وہ یہ بھی سیکھ سکیں کہ خود اچھا مسلمان کیسے بنتا ہے اور بچوں کو اچھا مسلمان کیسے بنانا ہے؟

۱۳۔ مخلوط تعلیم کا خاتمہ اور بچیوں کے لئے ہر سطح پر الگ تعلیم کا انتظام کرنا، ان کے لئے خصوصی نصاب کی تیاری اور خصوصی تعلیمی ماحول قائم کرنا۔

۱۴۔ تعلیم کے معیار کو بلند کرنا تاکہ مسلم معاشرے کو ذہین اور لائق افراد کار میسر آسکیں۔

۵۔ معیشت

۱۔ مسلم حکمرانوں کو توجہ دلانا کہ وہ اپنی معیشت کو اسلامی بنیادوں پر استوار کریں۔

۲۔ ایسے علمی، تحقیقی اور تعلیمی ادارے قائم کرنا جہاں اعلیٰ پیمانے پر اسلامی معیشت کی تدریس و تحقیق کا انتظام ہو اور دنیا پر یہ ثابت کیا جائے کہ اسلامی معاشی اصول آج بھی قابل عمل ہیں اور دنیا کا ہر مسئلہ حل کر سکتے ہیں۔

۳۔ ملکی قوانین کے تحت جو معاشی ادارے قائم کیے جاسکتے ہوں وہ قائم کرنا مثلاً؛ بلاسود بنک، تجارتی کمپنیاں، زکوٰۃ کی جمع وتقسیم کا انتظام وغیرہ۔

۴۔ خود انحصاری کی پالیسی اپنانا اور یہود ونصاریٰ کے مالیاتی اداروں اور سودی قرضوں کے چنگل سے نکلنا۔

۵۔ تمام مسلم ممالک کی ایک مشترکہ معاشی اور مالیاتی پالیسی بنانا خصوصا دنیا کے جن حصوں میں وہ تجمعات (گروپوں) کی صورت میں ہیں وہاں وہ لازما مشترکہ منڈیاں بنائیں، کرنسی بھی ایک کردیں ......وغیرہ وغیرہ، جیسے افریقی ممالک، عرب ممالک، مشرق بعید کے ممالک، وسط ایشیائی کے ممالک وغیرہ۔

۶۔ مسلم ممالک کی ایک مشترکہ مضبوط کرنسی تاکہ کسی مسلم ملک کو ڈالر، یورو وغیرہ سے اپنی کرنسی ملحق نہ کرنی پڑے۔

۷۔ مسلم ممالک کے ایک مشترکہ بنک کا قیام جس میں مسلم افراد، اداروں اور حکومتوں کا سرمایہ محفوظ رہے اور انہیں اس کیل لئے امریکی ویورپی بنکوں سے رجوع نہ کرنا پڑے۔

۸۔ مختلف مسلم ممالک کے صنعتکار مل کر ایسی ملٹی نیشنل کمپنیاں بنائیں جو ساری اسلامی دنیا میں کام کریں اور غیر مسلم ملٹی نیشنل کمپنیوں کی جگہ لیں۔

۹۔ مسلم ممالک کو درکار افرادی قوت کے لئے باہم تعاون کرنا تاکہ مسلمان ماہرین کو مغربی ممالک کو درکار افرادی قوت کے لئے باہم تعاون کرنا تاکہ مسلمان ماہرین کو مغربی ممالک میں جاکر کام نہ کرنا پڑے اور وہ غیروں کے بجائے مسلم ملت کے کام آئیں نیز مسلمان ممالک کو غیر مسلم ماہرین کی محتاجی نہ رہے۔

۱۰۔ نظام معیشت کو اسلامی بنیادوں پر استوار کرنا خصوصاً نظام زکوۃ وعشرہ کا فوری نفاذ اور سود کا فوری خاتمہ۔

۱۱۔ ملک میں تقسیم کے نظام کو منصفانہ بنانا، اس طرح کہ دولت مندوں کے وسائل کا بہاؤ ناداروں کی طرف ہو جائے۔

۱۲۔ ہر سطح پر سادگی کو رواج دینا اور اسراف سے بچنا خصوصاً حکمرانوں کا ایک عام آدمی جیسی زندگی بسر کرنا۔

۱۳۔ غیر مسلم ممالک سے درآمدات پر پابندی لگانا۔

۱۴۔ غیر مسلم ممالک کو خام مال کی برآمد بند کر دینا اور اسے خود استعمال کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا یا ضرورت مند مسلم ممالک کو بیچنا۔

۱۵۔ ہر قیمت پر اپنی معیشت کو خود کفیل بنانا خصوصاً زراعت وصنعت کو۔

۱۷۔ امریکی ویورپی بینکوں سے اپنا سرمایہ فوراً نکال لینا اور مسلم امہ کے مجوزہ مشترکہ بنک میں جمع کروانا۔

۱۸۔ ملکی معیشت خصوصاً بنکوں کا نظام فوراً غیر سودی بنیادوں پر چلانے کا انتظام کرنا۔ یہ بہت مشکل نہیں ہے، اس میں سب سے بڑی رکاوٹ وہ نام نہاد ماہرین معیشت ہیں جو آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک جیسے یہودی مالیاتی اداروں کے پروردہ ہیں اور جو ہر مسلم ملک کی وزارت مالیات میں براجمان ہیں ان ماہرین سے جان چھڑالی جائے اور ان کی جگہ ایسے ماہرین کا تقرر کیا جائے جو اسلامی اور قومی مفاد کو ہر چیز سے مقدم سمجھیں۔

کیا بلا سود معیشت ممکن ہے؟

بہت سے لوگ سوچتے ہیں کہ کیا آج کے زمانے میں سود کے بغیر معیشت چل سکتی ہے ہم کہتے ہیں بالکل چل سکتی ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ مسلمان معاشرہ پچھلے چودہ سو سال سے بلا انقطاع قائم ہے، اصل یہ ہے مسلم ممالک کے حکمرانوں کی بہت بڑی

اکثریت سرے سے اپنی کوئی رائے ہی نہیں رکھتی، ان کی آنکھوں پر مغربی فکر و تہذیب کی برتری اور اس کی مادی اور معاشی بالادستی کی پٹی بندھی ہوئی ہے، وہ مغربی ممالک اور یہودیوں کے سرمایہ فراہم کرنے والے بین الاقوامی سودی اداروں (ورلڈ بنک، آئی ایم ایف وغیرہ) کے مقروض ہیں۔ انہی اداروں کے تربیت یافتہ نام نہاد مسلم ماہرین معیشت، ان ممالک کے وزراء اور مشیر بن کر ان کی معاشی پالیسیاں چلاتے ہیں اور ظاہر ہے وہ مغربی تہذیب اور اس کی معاشی حکمت عملی کے خلاف سوچ ہی نہیں سکتے، لہذا مسلمان حکمران، جن کی اکثریت معیشت کی ابجد سے بھی ناواقف ہوتی ہے، ملک کے معاشی پالیسیاں بنانے اور چلانے کے سلسلے میں ان نام نہاد ماہرین کے ہاتھوں میں کھلونا بنے رہتے ہیں اور اس طرح مغربی حکومتیں اور معاشی ادارے اپنے ان تربیت یافتہ اور بعض اوقات تنخواہ یافتہ افراد کے ذریعہ مسلم ممالک میں جو پالیسیاں چاہتے ہیں نافذ کرواتے ہیں، ان حالات میں کسی مسلم حاکم سے یہ کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ سود کے بغیر معیشت چلانے کو ممکن العمل کہے گا، کیونکہ اس کے وزیر خزانہ صاحب فوراً کہہ دیں گے کہ جناب اس طرح تو ملک کی معیشت برباد ہو جائے گی، یہ تو ممکن ہی نہیں۔

کچھ اس سے ملتا جلتا احوال بڑے سرمایہ داروں کا ہے۔ مسلم ممالک کی حالت یہ ہے کہ ان کے عوام بھوکے مر رہے ہیں، ملک کے جو تھوڑے بہت وسائل ہیں وہ جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور صاحب ثروت افراد کے قبضے میں ہیں۔ یہ سرمایہ دار عموماً بنکوں سے سودی سرمایہ لے کر کام کرتے ہیں اور اپنی جیب سے پیسے لگائے بغیر دو کے چار بناتے ہیں، ملک کی معاشی پالیسیوں پر بھی وہی اثر انداز ہوتے ہیں، وہ کیوں کہ چاہیں گے کہ سرمایے کی مرکزیت کا یہ نظام ٹوٹے۔ ان کا مفاد تو اس میں ہے کہ سرمایہ صرف انہی کو ملتا رہے اور صرف انہی کے طبقے میں گردش کرتا رہے۔

جہاں تک علماء، عوام، دینی جماعتوں اور اسلامائزیشن سے متعلق حکومتوں اداروں کا تعلق ہے تو وہ کبھی کبھار شور کر کے خاموش ہو جاتے ہیں، اس لئے ان کے بس

میں کچھ نہیں۔ بین الاقوامی اسلام دشمن طاقتیں اوران کے مقامی ایجنٹ حکمراں نہ عوام کو منظّم ہونے دیتے ہیں اور نہ دینی جماعتوں کو اتنا طاقتور ہونے دیتے ہیں، وہ عوامی رائے عامہ کی مدد سے دین دشمن پالیسیوں کو ختم کرواسکیں اور اسلام کے حق میں کوئی بڑی تبدیلی لاسکیں۔ ہاں دباؤ کم کرنے کی خاطر حکمراں ایسے چھوٹے موٹے کام کرتے رہتے ہیں جن سے عوام بھی خوش ہو جائیں اور دینی جماعتیں بھی، جیسے جمعہ کی چھٹی۔ احترام رمضان آرڈینس، نظام صلوٰۃ کا نفاذ، رمضان کے آخر میں شبینوں کا انتظام، ربیع الاول کے مہینے میں قومی سیرت کانفرنسیں، نیز آئینی تعلیمی پالیسی اور ایسے ہی دوسرے پالیسی ڈاکومنٹس میں اسلامی اصولوں کا ذکر وغیرہ وغیرہ۔

دوسری طرف یہ دیکھئے کہ اس وقت بیسیوں اسلامی بنک، اسلامی ممالک ہی نہیں یورپ وامریکہ میں بھی کام کر رہے ہیں اوران میں آج تک کوئی اس لئے ناکام نہیں ہوا کہ وہ سود نہیں لے رہا بلکہ یہ بنک خوب ترقی کر رہے ہیں۔

لہذا یہ کہنا منطقی طور پر غلط ہے کہ سود کے بغیر بنک چلائے نہیں جا سکتے، یا اسلامی اصولوں پر معیشت نہیں چلائی جا سکتی۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ چونکہ یہودی سازش سے دنیا کا معاشی نظام اس وقت سود پر چل رہا ہے، اس لئے اگر کوئی مسلم ملک بغیر سود کے اپنی معیشت چلانا چاہے تو اسے متعدد مشکلات اور پیچیدگیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اس سارے تجزیے سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کہنا مغالطہ انگیزی پر مبنی ہے کہ سود کے بغیر بنکنگ ممکن نہیں، یا سود کے بغیر معیشت نہیں چلائی جا سکتی۔ اصل بات یہ ہے کہ دنیا کا معاشی نظام یہودیوں کے ہاتھ میں ہونے کی وجہ سے سود پر مبنی ہے۔ مسلم ممالک کی معیشت مغربی دنیا اور مغرب کے معاشی اداروں کے تسلط میں ہے، جو مسلم ممالک سود کے بغیر معیشت چلا سکتے ہیں وہ غیر منظّم ہیں، لہذا ان حالات میں ہم سود لینے دینے پر مجبور ہیں لیکن ظاہر ہے کہ یہ مجبوری ہماری اپنی پیدا کردہ ہے اور ہم خود ہی اس جال کو توڑ سکتے ہیں۔

۶۔ قانون وانصاف

۱۔ مسلم حکمرانوں کو توجہ دلانا کہ وہ اپنا نظام قانون وانصاف اسلامی تعلیمات پر استوار کریں، شریعت کو سپریم لاء بنائیں اور مغربی آئین وقوانین اور عدالتی نظام کو رد کر دیں۔

۲۔ ایسے تعلیمی ادارے قائم کرنا جہاں اسلامی اور جدید قوانین دونوں کا بھرپور مطالعہ ہو۔

۳۔ مسلم ممالک کی مشترکہ مجلس فقہ واجتہاد بنانا۔

۴۔ مسلم ممالک کی مشترکہ پارلیمانی یونین اور مشترکہ چیف جسٹس کمیٹی بنانا تاکہ ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔

۵۔ مسلم ممالک کی مشترکہ عدالت بنانا جس سے باہمی تنازعات کے فیصلے کے لئے رجوع کیا جا سکے۔

۶۔ ہر مسلم ملک کے آئین میں بصراحت اس چیز کا ذکر ہونا چاہئے کہ:

(الف) حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، انسان اس کے بندے ہیں جنہیں فقط بندگی ہی زیبا ہے۔

(ب) اسلام مملکت کا سرکاری مذہب ہوگا۔

(ج) قرآن وسنت سپریم لاء ہیں اور ان کے خلاف ہر قانون ناقابل عمل اور قابل تنسیخ ہے۔

۷۔ قانون سازی کے عمل کو اسلامی بنانا تاکہ پارلیمنٹ کوئی قانون خلاف اسلام نہ بنا سکے۔

۸۔ عدالتوں کو صرف قانون شریعت کے فیصلے کے مطابق فیصلے کرنے کی اجازت دینا

۹۔ قانون کی تعلیم کو اسلام کے مطابق بنانا یعنی اسلامی قانون اور عربی زبان کی تدریس کا اہتمام کرنا اور غیر اسلامی قوانین کا محض تعارفی مطالعہ کروانا بطور تقابلی مطالعے کے۔

۷۔ دعوت واصلاح

۱۔ مسلم معاشرہ کے اندر دعوت وتزکیہ کا کام کرنا اور پہلے سے ہونے والے کاموں کو منظّم ومربوط کرنا۔

۲۔ دعوت کے لئے جدید ذرائع ابلاغ کا استعمال جیسے آڈیو، ویڈیو، سی ڈی، انٹرنیٹ وغیرہ۔

۳۔ تعلیم وتربیت کے موجودہ اداروں کی اصلاح کر کے انہیں موثر اور فعال بنانا اور نئے ادارے قائم کرنا۔

۴۔ غیر مسلموں میں اشاعت اسلام کے کام کو منظّم کرنا۔ جو تنظیمیں اور ادارے اس شعبے میں کام کررہے ہیں ان کو باہم مربوط اور متحد کرنا اور مسلم حکمرانوں کو توجہ دلانا کہ وہ اس غرض کے لئے زیادہ سے زیادہ فنڈز مہیا کریں۔

۵۔ نومسلموں کی بحالی اور تعلیم وتربیت کیل لئے ادارے قائم کرنا، ان کے لئے موزوں لٹریچر مہیا کرنا، ان کے روزگار کا انتظام کرنا وغیرہ۔

۶۔ غیر مسلم ممالک میں مسلم اقلیتوں کو منظّم ہونے اور اسلامی احکام پر عمل درآمد کے لئے ادارے قائم کرنے میں ان کی مدد کرنا۔

۷۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے کام کو سرکاری سطح پر منظّم کرنا۔

۸۔ مسلم عوام (چھوٹوں اور بڑوں، عورتوں اور مردوں سب) کی ایسی فکری دینی اور قلبی تربیت کرنا کہ شریعت پر عمل اور دین کی اطاعت ان کی خواہش ورغبت بن جائے اس غرض سے تعلیم وتربیت کے موجودہ اداروں کو فعال بنانا اور نئے ادارے قائم کرنا۔

۹۔ ملک بھر میں ہر سطح کی اسلامی تربیت گاہوں کا جال پھیلانا اور تربیت کے موجودہ اداروں کی اسلامی تناظر میں تشکیل نو کرنا۔

۱۰۔ مسلم معاشرے میں اسلامی تعلیمات کو موثر اور مدلل انداز میں پیش کرنا تا کہ

ایک یکسو مسلم شخصیت پروان چڑھ سکے۔

۱۱۔غیر مسلموں میں تبلیغ اسلام کے کاموں کو منظم کرنے کے لئے خاطر خواہ فنڈز مہیا کرنا اور اس کے لئے غیر ضروری اقدامات کرنا جیسے دعاۃ کی تیاری، لٹریچر کی اشاعت، اسکولوں اور ہسپتالوں کا قیام وغیرہ۔

وضاحتیں

غیر مسلم دنیا میں دعوت کا طریقۂ کار

بدقسمتی سے یہ وہ اہم ذمہ داری ہے جس کی طرف ہم نے کماحقہ توجہ نہیں دی، غیر مسلموں تک اسلام کی دعوت پہنچانا امت مسلمہ کے بنیادی فرائض میں شامل ہے۔

'اور ضرری ہے کہ تم میں ایک جماعت ایسی ہو جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائے، نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے اور یہ کام کرنے والے ہی کامیاب ہوں گے'۔(آل عمران:۱۰۴)

'تم وہ بہترین امت ہو جسے لوگوں کی رہنمائی کے لئے پیدا کیا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دینے والے، برائی سے روکنے والے اور اللہ پر ایمان رکھنے والے'۔(آل عمران:۱۱۰)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ 'بلغوا عنی ولو آیۃ(صحیح بخاری ،کتاب الانبیاء باب ماذکر عن بنی اسرائیل)

اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ان احکام پر صدر اول میں مسلمانوں نے خوب عمل کیا۔ ہر مسلمان خود کو داعی اور مبلغ سمجھتا تھا اور وہ جہاں بھی جاتا دین کا پیغام ساتھ لے کر جاتا تھا، اس طرح پرامن تبلیغ کے ذریعے مسلمانوں خصوصا ان کے تاجروں اور صوفیوں نے اسلام کا پیغام چاردانگ عالم میں پہنچایا۔

اس وقت ہم یہ تو نہیں کہتے کہ دعوت وتبلیغ کا کام بالکل نہیں ہو رہا، یقیناً کچھ کام

ہوتو رہا ہے، بعض حکومتیں بھی اس میں دلچسپی لیتی ہیں اور ملی سطح کے بعض ادارے بھی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ کام بالکل ناکافی ہے۔

اس کے مقابلے میں مغرب کی عیسائی حکومتیں اور پرائیوٹ تنظیمیں اربوں ڈالر سالانہ عیسائیت کی تبلیغ اور مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لئے مختص کر دی جاتی ہیں، اس غرض کے لئے وسیع پیمانے پر لٹریچر کی اشاعت کی جاتی ہے، خصوصی ریڈیو اور ٹی وی اسٹیشن قائم ہیں، اسکولوں اور ہسپتالوں کا جال بچھایا گیا ہے، انٹرنیٹ کے ذریعے کام ہوتا ہے مشہور امریکی ہفت روزہ ٹائم میگزین نے حال ہی میں (اشاعت ۲۲ جون ۲۰۰۳ء) مغربی مشنریوں کی کارکردگی کی ہوش ربا تفصیلات دی ہیں مثلاً یہ کہ ۱۹۹۹ء میں امریکہ میں مشنریوں کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی۔ پوری دنیا میں اس وقت ۴ لاکھ ۹۸ ہزار مشنریاں ہیں، جن میں ایک لاکھ ۱۴ ہزار کل وقتی ہیں، ان میں سے ۳۹ ہزار ۸۸۷ مسلمان ممالک میں کام کر رہے ہیں، ان کی کوشش سے ہر سال ۷ء۴ فیصد کے حساب سے عیسائی آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے، یہ لوگ اب تک البانیا میں ۶ ہزار، الجیریا میں ۳۰ ہزار، وسط ایشائی ممالک میں ۱۴ ہزار، ملائیشیا میں ۶۰۰ اور صومالیہ میں ۲۰ ہزار مسلمانوں کو عیسائی بنا چکے ہیں۔

اس کے مقابلے میں مسلمان دعوت کے میدان میں ابھی بہت پیچھے ہیں۔ اس صورت حال کا اگر ہم تجزیہ کریں تو دو باتیں سامنے آتی ہیں، ایک دعوتی وسائل کی مقدار اور تعداد کا کم ہونا اور دوسرے دعوت کا موثر نہ ہونا۔ پہلی صورت کا علاج تو یہ ہے کہ مسلمان حکومتیں اس طرح توجہ کریں اور ہر مسلمان حکومت اپنے سالانہ بجٹ میں اس کام کیلئے معقول رقم مختص کر دے۔ مسلمانوں کی موجودہ تنظیموں اور اداروں کو بھی اس طرف متوجہ ہونا چاہئے اور اس غرض سے نئی تنظیمیں بھی وجود میں آنی چاہئیں جو دعوتی کام کے لئے مالی وسائل بھی جمع کریں اور افرادی قوت کو بھی حرکت میں لائیں۔ ہمیں یاد ہے کہ ۱۹۹۱ میں امریکہ میں ہماری نارمن عیسائی فرقے کے بعض لوگوں سے ملاقات ہوئی تھی تو انہوں نے بتایا کہ ان کے یہاں ہر آدمی کے لئے دو سالہ تبلیغ لازمی ہے اور اس عرصے

میں تنظیم اس شخص کی بنیادی ضروریات کی کفالت کرتی ہے، اس طرح کی تجویز پر مسلمان جماعتوں اور اداروں کو بھی غور کرنا چاہیے۔

دوسری اہم چیز دعوت وتبلیغ کا معیار بھی ہے۔ عالم اسلام کے بہت کم ممالک میں ایسے تعلیمی ادارے ہیں جن میں غیر مسلم ممالک میں جا کر دعوت دین کا کام کرنے کے لئے دعاۃ کی تیاری کا کام ہوتا ہو۔

مسلم معاشرے میں اسلوب دعوت

ہم دیکھتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح دین پھیلایا اور قائم کیا اور جو اسلامی تعلیمات پیش کیں اس کے نتیجے میں جو تہذیبی روایت پروان چڑھی اس میں ہر مسلمان مبلغ تھا اور ہر مسلمان امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر عامل تھا چنانچہ علماء اور صوفیا ہی نہیں اطباء، حکماء۔ تجار، سفراء اور اہل حرفت غرض سب لوگ ضروری حد تک دین کا علم بھی رکھتے تھے اور داعی اور مبلغ بھی تھے۔

ہمارے آج کے مسلم معاشرے میں عام آدمی کا یہ کردار ختم ہو گیا ہے۔ البتہ دعوت وتبلیغ کا کام تین طرح کی جماعتوں اور تنظیموں کے پاس ہے جن میں سے ہر ایک کے کام کا ہم مختصر سا جائزہ لیں گے:

(۱) روایتی علماء

جو مساجد اور مدارس کے ذریعے کام کر رہے ہیں۔

(۲) جدید اسلامی تحریکیں

یہ اسلامی تحریکیں خلافت کے خاتمے اور پہلی جنگ عظیم میں مسلم دنیا کی شکست کے بعد استعمار کے قبضے میں چلے جانے کی وجہ سے پیدا ہونے والے خلاء کو پر کرنے اور اس کے پیدا کردہ چیلنج سے عہدہ برآ ہونے کی سعی کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہیں اور بلاشبہ عصر حاضر میں اسلام کے حوالے سے ان کا کردار بہت اہم ہے۔ انہوں نے ایک طرف تو

استعمار کو چیلنج کیا اور اس کے اور اس کے مقامی ایجنٹوں کے ہاتھوں زخم کھائے اور دوسری طرف عصری تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسلام کو ایک نظام حیات کے طور پر پیش کیا اور مسلم معاشرے میں اس کے نفاذ کی جدوجہد کی۔ تاہم ان کی دعوتی حکمت عملی کا کمزور پہلو یہ ہے کہ انہوں نے تعلیم اور تربیت وتزکیہ کو وہ اہمیت نہیں دی جس کے وہ مستحق تھے۔

(۳) تبلیغی جماعت

برصغیر پاک وہند سے ابھرنے والی یہ تبلیغی تحریک اپنے حجم اور پھیلاؤ کی وجہ سے اس وقت غالباً عالم اسلام کی سب سے بڑی دعوتی جماعت ہے، بلاشبہ اس جماعت کو یہ کریڈیٹ جاتا ہے کہ وہ لوگوں کو ان کے گھروں سے نکال کر تربیت کے میدان لا ڈالتی ہے اور متحرک کر دیتی ہے، وہ لوگوں تک دین کی بنیادی معلومات پہنچاتی ہے اور ان کے سیرت وکردار پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتی ہے۔

اس جماعت کے دعوتی منہاج کی خامی یہ ہے کہ اس کا تصور دین بہت محدود ہے وہ عبادت اور چند اخلاقی اصولوں کی پرداخت تو کرتی ہے لیکن معاشرے کے اجتماعی ڈھانچے کی اصلاح اس کے پیش نظر ہے ہی نہیں۔

تزکیہ کیسے ہو؟

دعوت کی اہمیت اپنی جگہ لیکن سوال یہ ہے کہ مسلم معاشرے میں تزکیہ وتربیت کا موثر اور فعال نظام کیسے قائم کیا جا سکتا ہے؟۔

یہاں ایک اصولی بات سمجھ لینی چاہئے اور وہ یہ کہ شریعت کا سارا ڈھانچہ نفس انسانی کا تزکیہ کرتا ہے اور دین کی ساری تعلیمات کا ہدف تزکیہ ہی ہے۔ اس لئے دین اگر اپنی صحیح صورت اور اسپرٹ میں کسی مسلم معاشرے میں نافذ ہو جائے تو نفوس کا تزکیہ خود بخود اپنی مطلوبہ شکل میں ہونے لگتا ہے اور اس کے لئے کسی خصوصی ادارے کے قیام کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ صدر اول میں جب

تک دینی بگاڑ نے معاشرتی بگاڑ کی صورت نہ اختیار کر لی علماء و صلحاء نے تصوف جیسے کسی ادارے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی، لیکن جب معاشرتی بگاڑ بڑھ گیا تو علماء و صلحاء کو اس کے علاوہ اصلاح کی کوئی صورت نظر نہ آئی کہ لوگوں کے لئے ایک خانقاہی نظام وضع کیا جائے، جہاں انہیں ان کے بگڑے ہوئے ماحول سے کھینچ کر کچھ دیر کے لئے رکھا جائے اور ان سے مجاہدے اور ریاضتیں کروا کر انہیں نفس پر قابو پانا سکھایا جائے، تا کہ ان سے اطاعت الٰہی میں کوتاہی نہ ہو، لہذا آج اگر کوئی ہیئت مقتدرہ تزکیہ و تربیت کیلئے موثر اور فعال نظام قائم کرنا چاہتی ہو تو اس کا ہدف صالح معاشرت کا قیام ہونا چاہیے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی مجلس میں ایک دفعہ اسلامی ریاست کے قیام اور نفاذ شریعت وغیرہ کی باتیں ہو رہی تھی فرمانے لگے کہ مجھے اگر حکومت مل جائے تو دس سال تک اصلاح کا کام کروں گا، یہاں ان کے پیش نظر اس عام خیال کی نفی تھی کہ نفاذ اسلام کی بنیاد شرعی قوانین کا اجراء ہے کہ ادھر اسلامی حکومت قائم ہوئی اور ادھر نافرمانوں کو کوڑے لگنے لگے، بلکہ مطلوب یہ ہے کہ اقتدار کی قوت سے ایسی صالح معاشرت پیدا کی جائے جس میں اسلام کے معروفات پر عمل مرغوب ہو جائے اور منکرات سے خود بخود نفور پیدا ہو جائے ایسا ماحول پیدا کرنے کے لئے جو امور معاون ہو سکتے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ دین پر عمل کو دنیا میں نفع آور بنا دیا جائے مثلاً اگر حکومت یہ اعلان کر دے کہ دینیات کے معلم کی تنخواہ دوسرے اساتذہ سے دو ہزار روپے زیادہ ہوگی، اسٹیٹ بینک کے گورنر کے لئے اگر یہ شرط رکھ دی جائے کہ اسے اسلامی معاشیات کا ماہر ہونا چاہیے، ہائی کورٹ کے جج کے لئے اگر یہ طے کر دیا جائے کہ اسے اسلامی فقہ کا ماہر ہونا چاہیے، سرکاری ملازمت کے لئے اگر اعلان کر دیا جائے کہ داڑھی رکھنے والے کو ترجیح دی جائے گی، اگر یہ اعلان کر دیا جائے کہ شہداء کے بچوں کو ہر سطح پر اسکالرشپ ملے گا۔ اس طرح دین اگر دنیا میں عزت افزائی اور نفع آوری کا باعث ہو تو پھر دیکھئے کہ لوگ کس طرح خوشی خوشی دین پر

عمل کرتے ہیں، اسلامی علوم و معارف کو کس طرح تقویت ملتی ہے، دین کو کس طرح معاشرے میں رسوخ حاصل ہوتا ہے۔

۲۔ معلم کو مربی و مزکی بنا دیا جائے۔ دوسرے لفظوں میں معلم کا وہ کردار بحال کر دیا جائے جو صدر اول میں تھا کہ اس وقت معلم لازما مربی بھی ہوتا تھا، یہی وجہ ہے. نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ 'انما بعثت معلما' (سنن ابن ماجہ ،کتاب السنة، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم) یعنی میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ کیونکہ اس وقت معلم ہی مربی بھی ہوتا تھا۔ بعد میں جب بگاڑ پیدا ہوا تو معلم مربی نہ رہے اور مربی معلم نہ رہے اور معلم مدارس میں اور مربی خانقاہوں میں پائے جانے لگے۔ اس دوعملی کا نتیجہ یہ نکلا کہ مربی (عموما)علم سے کورے ہوتے گئے اور معلم (عموما) زہد و تقویٰ سے اور یہ چیز بالآخر بڑے معاشرتی فتنے کا اور اخلاقی خلفشار کا سبب بنی۔

۸۔ میڈیا

۱۔ مسلمان حکومتوں کو توجہ دلانا کہ وہ اپنی میڈیا پالیسی اسلامی اصولوں کے مطابق تشکیل دیں، اپنی تہذیب و تمدن کو ابھاریں اور اس میدان میں مغرب کی نقالی ترک کر دیں، مشترکہ نیوز ایجنسی اور ٹی وی چینل قائم کریں۔

۲۔ الکٹرانک اور پرنٹ میڈیا دونوں کی اصلاح کریں، مغرب میں میڈیا کے اسلام اور مسلم دشمن ایجنڈے کو غیر موثر بنانے کے لئے اقدامات کریں۔

۳۔ اسلامی اور تعمیری فلمیں، ڈرامے اور دیگر تفریحی پروگرام تیار کرنا جو ذہنوں میں اسلامی اصولوں کو راسخ اور تعمیر سیرت کا کام کریں۔

۴۔ ماس کمیونیکیشن کے تعلیمی ادارے قائم کرنا، جہاں ایسے ہنرمند افراد تیار ہو سکیں جو پرنٹ اور الکٹرانک میڈیا میں اسلامی نقطۂ نظر سے کام کر سکیں۔

۵۔ ذرائع ابلاغ سے ان افراد کو نکال باہر کرنا جو اسلامی نظریۂ حیات کے مخالف ہوں۔

۶۔ مغرب کی میڈیا پالیسی کو رد کرنا اور سنسر کیے بغیر ان پروگراموں کو مسلم عوام تک نہ پہنچنے دینا۔

۷۔ اسلام و مسلم دشمن قوتوں کے پروپیگنڈے کا توڑ کرنا اور ان کی فلموں، ڈراموں اور گانوں کی درآمد پر پابندی لگانا۔

۸۔ ریڈیو ٹی وی انٹرنیٹ وغیرہ سے اشاعت دین اور اشاعت تعلیم کا کام لینا۔

۹۔ میڈیا کے سارے پروگراموں سے غیر اسلامی عناصر خصوصاً ناچ گانے فحاشی اور عورت کے استحصال کا خاتمہ۔

کیا اسلامی فلمیں اور ڈرامے جائز ہیں؟

تصویر کے بارے میں ہمارے روایتی علماء کا تصور یہ ہے کہ اس کا کھینچنا اور اتروانا جائز نہیں، البتہ جہاں شرعی اور تعمیری مقاصد کیلئے ناگزیر ہو جائے وہاں اسے استثنیٰ حاصل ہے، مثلاً: حج کے لئے شناختی کارڈ یا پاسپورٹ بنوانا، مجرموں کی گرفتاری کے لئے ان کی تصاویر مشتہر کرنا۔ یا طب کی تعلیم کے لئے تصاویر کا استعمال کرنا وغیرہ۔ بعض معاصر علماء کا خیال ہے کہ آج کل فوٹو گرافی فنی طور پر اس طرح کی تصویر ہے ہی نہیں جس طرح کے پہلے مصور برش اور رنگوں سے تصویر بناتے تھے بلکہ آج کل کی تصویر تو محض اجسام کے عکس کا عارضی تحفظ یا اثبات ہے لہذا اس پر تصویر کے شرعی احکام کا اطلاق نہیں ہوتا۔

بہر حال ان دونوں میں سے کوئی بھی رائے اختیار کی جا سکتی ہے۔ لیکن اصل مسئلہ دوسرا ہے اور وہ یہ کہ تصویر کو مغربی فکر و تہذیب میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اس تہذیب کی چونکہ بنیادی روح (Sprit) کی بجائے Form پر ہے لہذا یہ وحی کی بجائے حواس کو منبع علم سمجھتی ہے، روحانیت کی بجائے مادیت پر زور دیتی ہے اور آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دیتی ہے، اس لئے یہ تجرید کی بجائے تصویر کی قائل ہے۔

پھر مغرب نے تصویر کو صرف تعلیمی، تحقیقی، طبی اور دیگر تعمیری مقاصد کیلئے ہی

استعمال نہیں کیا اس نے اسے جنس اور تجارت سے مربوط کر کے متاع بازار بھی بنا دیا ہے اور حیاء، عصمت وعفت جیسے تصورات کو نہ صرف حرف غلط کی طرح مٹا دیا ہے بلکہ ایسا مٹایا ہے کہ شائدان کے معنیٰ وہاں اب ڈکشنری میں بھی ڈھونڈنے پر نہ ملیں۔

ان حالات میں مسلم امہ کے سامنے مسئلہ یہ نہیں کہ شرع اسلامی میں تصویر جائز ہے یا ناجائز؟ بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ وہ مغرب کے تصویری انقلاب اور طوفان سے اپنے آپ کو بچائے کیسے؟ اور اپنے اصول واقدار کا تحفظ کرے تو کیسے؟ مغرب نے ڈرامے فلم ریڈیو ،ٹی وی، کیسٹ، سی ڈی، انٹرنیٹ، سیٹلائٹ......وغیرہ سے جو ہنگامہ برپا کر رکھا ہے اس کے اثرات سے خود کو کیسے محفوظ کرے۔ یہ سخت موقف کہ اسلام تصویر کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا لہذا اسلامی تہذیب وثقافت میں ڈراموں فلموں وغیرہ کی کوئی گنجائش نہیں، صحیح ہونے کے باوجود کیا عصر حاضر کے ان کروڑوں مسلمانوں کے لئے قابل عمل اور قابل قبول ہوسکتا ہے جو مغرب کے تصویری طوفان سے متاثر ہو چکے ہیں؟ ہمارا خیال ہے اس کا جواب ہاں میں دینا ممکن نہیں۔ لہذا انسانی نفسیات کو سامنے رکھتے ہوئے اور ایک عارضی مرحلے کے طور پر، تا کہ ہمارے نوجوان ہمارے سخت رویے سے بالکل ہی باغی نہ ہو جائیں اور دوسری طرف لڑھک کر مغربی طوفان میں بہ ہی نہ جائیں ہمیں ایک نسبتاً نرم موقف قبول کرنا پڑے گا اور وہ یہ کہ ہم ایسی فلمیں اور ڈرامے خود تیار کر کے اپنے نوجوانوں کو دیں جن سے ہماری نظریاتی ساخت کو کم سے کم نقصان پہنچے......ہم پھر عرض کریں گے کہ یہ ہماری چوائس نہیں مجبوری ہے لہذا خود دین کے وسیع تر مفاد میں ہمیں اس موقف کو قبول کرنا پڑے گا۔

۹۔ معاشرت

۱۔ مسلم حکومتوں کو توجہ دلانا کہ وہ مسلم معاشرے میں مغربی تہذیب وثقافت کو پھیلنے سے روکیں اور معاشرت کو اسلامی اصولوں پر قائم رکھنے کے لئے جدو جہد کرنا۔

۲۔ دعوت واصلاح اور تعلیم وتربیت کے اداروں کے ذریعے عوام کو اسلام کے معاشرتی اصولوں سے آگاہ کرنا اور انہیں ان پر عمل کی ترغیب دلانا۔

۳۔ معاشرت میں اسلامی اصول واقدار اور رسوم رواج کو فروغ دینے کے اقدامات کرنا۔

۴۔ معاشرت کے غیر اسلامی رجحانات خصوصا مغربی تہذیب کی اندھا دھند پیروی کے رجحان کا خاتمہ کرنا اور اس سلسلے میں خود حکمرانوں کو اپنے آپ کو بطور ماڈل پیش کرنا۔

۵۔ ستر وحجاب کی اسلامی تعلیمات پر عمل کرانا، خاندانی نظام کو مضبوط کرنا، مخلوط تعلیم ومحافل پر پابندی لگانا اور الیکٹرانک میڈیا سے فحاشی کا خاتمہ کرنا اور مثبت وتعمیری پروگرام اور لٹریچر پیش کرنا۔

۶۔ تعلیم میں اسلام کے معاشرتی اصولوں پر زور دینا۔

۷۔ غیر مسلم ممالک سے فلموں ڈراموں اور دوسرے مخرب اخلاق پروگراموں اور لٹریچر کی درآمد پر پابندی لگانا اور مسلم معاشرے میں ان کی اشاعت کو روکنا۔

۸۔ خاندانی منصوبہ بندی کے پروگراموں کو رد کرنا وغیرہ۔

۹۔ مغرب اور دیگر غیر مسلم ممالک اقوام متحدہ کی آڑ میں تحدید آبادی اور عورتوں کے حقوق کے نام پر معاشرت کے جو غیر اسلامی اصول وقوانین منظور کر رہے ہیں انکی مزاحمت کرنا اور عالمی سطح پر معاشرت کے اسلامی نقطہ نظر کو منوانا اور عالمی قانون کا حصہ بنوانا۔

۱۰۔ صحت

۱۔ مسلم حکومتوں کو یہودی مغربی ملٹی نیشنل دواساز کمپنیوں کے چنگل سے نکلنے کا احساس دلانا۔

۲۔ مسلم صنعتکاروں کو توجہ دلانا کہ وہ ایسی دواساز ملٹی نیشنل کمپنیاں بنائیں جو طب نبوی اور مقامی طریق علاج پر مبنی ہوں۔

۳۔ مسلم حکومتوں کو متوجہ کرنا کہ وہ مشترکہ سرمائے سے میڈیکل کی تعلیم و تحقیق کیلئے اعلیٰ پائے کی یونیورسٹیاں بنائیں تاکہ اس شعبے میں مغرب پر انحصار ختم ہو سکے۔

۴۔ پرائیوٹ سیکٹر میں گنوائے گئے اقدامات کے علاوہ ایلوپیتھک طریق علاج اور دوا ساز یہودی اور مغربی ملٹی نیشنل کمپنوں کے سحر سے نکلنے کے اقدامات کرنا۔

۵۔ طب نبوی اور مقامی طریق ہائے علاج کو سرکاری اسپتال میں فروغ دینا ان کے کالج اور ہسپتال قائم کرنا فارغ التحصیل طلباء کو ہسپتالوں میں تعینات کرنا اور ادویات مہیا کرنا۔

۶۔ ہر شہری کو بلا معاوضہ علاج و معالجے کی سہولت بہم پہنچانا خصوصا دیہات میں۔

۷۔ خواتین کے علاج کے لئے خواتین ڈاکٹروں اور نرسوں کی فراہمی اور خواتین کے الگ ہسپتال بنانا

۸۔ ڈاکٹروں نرسوں اور دواؤں کی فراہمی میں مسلم ممالک کا ایک دوسرے سے تعاون کرنا تاکہ غیر ملک پر انحصار ختم ہو سکے۔

کیا طریق علاج بھی اسلامی، غیر اسلامی ہوتا ہے؟

ہم نے سطور بالا میں یہ تجویز کیا ہے کہ مسلمانوں کو مقامی طریقہ ہائے علاج کو ترقی دینی چاہیے اور مغربی طریق علاج (ایلو پیتھک) چھوڑ دینا چاہیے، اس پر ایک صاحب نے بھناتے ہوئے یہ تبصرہ کیا کہ لگتا ہے آپ کو مغرب فوبیا ہو گیا ہے اور آپ بر بنائے تعصب مغرب کی ہر بات کو رد کرنے اور اس کے ہر مفید پروگرام کی ممانعت کرنے پر تل گئے ہیں۔

ہم ان خیالات کی قدر کرتے ہیں لیکن اگر ہمارا موقف اور دلائل بھی ذرا سمجھنے کی کوشش کر لی جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟

۱۔ مغرب نے جو طریق علاج اپنایا ہے وہ ان کے مقامی موسموں لوگوں کے مزاج،

وہاں کے سماجی اور معاشی حالات وغیرہ کو پیش نظر رکھ کر بنایا ہے۔

۲۔ اہل مغرب بنیادی طور پر تاجرانہ ذہن رکھتے ہیں۔ برصغیر میں بھی وہ تاجروں کے روپ میں داخل ہوئے تھے اور بالآخر ملک پر قبضہ کرلیا، پھر یہاں کی ساری دولت اور مادی وسائل انگلستان پہنچ گئے، اہل مغرب کا رویہ اب بھی تاجرانہ ہے انہوں نے مغرب میں دوا سازی کی بڑی بڑی فیکٹریاں لگا رکھی ہیں اور ان کا تاجرانہ مفاد یہ ہے کہ ان کی تیار کردہ دوائیں بکتی رہیں، ان کی بلا سے ہمیں شفا ہو یا نہ ہو۔ کئی دفعہ اخبارات میں آچکا ہے کہ ہمارے یہاں وہ دوائیں برسوں سے بک رہی ہیں جن پر بہت عرصہ پہلے مغرب میں پابندی لگ چکی ہے۔

۳۔ یہ بھی ریکارڈ پر ہے کہ مغربی ممالک طبی مشنوں کے پردے میں مشنری (اور بعض اوقات جاسوسی) سرگرمیاں جاری رکھتے ہیں۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ مغربی طریقۂ علاج کو ختم کر دیا جائے، یا اس کی سائنسی ترقیوں سے فائدہ نہ اٹھایا جائے۔ یہ سب کچھ ضرور کیا جائے مگر کس قیمت پر؟ مقامی طریق علاج کی قیمت پر؟ ہرگز نہیں ہم صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ مقامی طریق علاج کو ترجیح دی جائے، اس کی تحقیق و ترقی کے لئے اقدامات کیے جائیں، اس کے لئے تعلیمی ادارے اور ہسپتال قائم کیے جائیں، ان لوگوں کو اچھی تنخواہیں دی جائیں۔ چلئے اگر مقامی طریق علاج کو مغربی طریق علاج پر ترجیح نہیں دے سکتے، تو دونوں سے کم از کم یکساں سلوک تو کیا جا سکتا ہے، لیکن مغربی طرز علاج کو فوقیت دینا اور ساری پالیسیاں اس کے مفاد میں بنانا اور مقامی طریق علاج سے چشم پوشی کرنا یہ کہاں کا انصاف اور عقل مندی ہے۔؟

جو لوگ مغرب کی عینک سے چیزوں کو دیکھنے کے عادی ہیں انہیں ممکن ہے کہ ہماری یہ باتیں عجیب اور اوپری لگیں لیکن اگر وہ ذرا مغرب کی پٹی اپنی آنکھوں سے ہٹا کر دیکھیں تو انہیں ان باتوں میں حمیت عقل اور منطق سب کچھ نظر آنے لگے گا۔

۱۱۔ صنعت و تجارت

۱۔ مسلم حکمرانوں کو توجہ دلانا کہ وہ صنعت و تجارت میں مغرب کی غلامی سے نکلیں، مسلم ملت کے مفادات کو ترجیح دیں اور خود انحصاری اپنائیں۔

۲۔ مسلم صنعتکاروں کو ترغیب دلانا کہ اگر حکومتیں مندرجہ ذیل لائحہ عمل پر عمل درآمد نہ بھی کریں تو وہ خود اپنے طور پر جہاں تک ہو سکے اسلام اور مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

۳۔ مسلم ممالک کے چیمبرز آف کامرس کے صدور کی ایک مشترکہ کمیٹی بنانا جو خام مال اور موزوں افرادی قوت کی فراہمی کا جائزہ لے کر مسلم ممالک کے مشترکہ صنعتی یونٹ خصوصا دفاع، ہیوی مشینری، الیکٹرانکس وغیرہ کے شعبوں میں لگانے کی منصوبہ بندی کرے۔

۴۔ مسلم ممالک کے صنعتکاروں اور سرمایہ داروں پر مشتمل ایک مشترکہ کمیٹی کا قیام جو مسلم ممالک میں ترقیاتی کام کرنے کی منصوبہ بندی کریں اور اس غرض کیلئے ملٹی نیشنل کمپنیاں بنائیں جو غیر مسلم ملٹی نیشنل کمپنیوں کی جگہ لیں۔

۵۔ ہر مسلم ملک میں صنعتی ڈھانچہ کھڑا کرنا۔

۶۔ خود انحصاری کے اصولوں پر صنعت کو فروغ دینا تاکہ غیر ممالک سے کوئی چیز درآمد نہ کرنی پڑی۔

۷۔ دیہی علاقوں میں گھریلوں اور چھوٹی صنعتوں کو فروغ دینا تاکہ بیروزگاری کم ہو اور بڑے شہروں کی طرف نقل مکانی میں کمی آئے۔

۸۔ تجارت خام مال اور ماہرین کی برآمد و درآمد میں مسلم ملکوں کو دوسروں پر ترجیح دینا۔

۹۔ مسلم ممالک کی تجارت کا غالب حصہ خود مسلم ممالک کے درمیان ہونا چاہئے۔

۱۰۔ مشترکہ منڈیاں، مشترکہ بنک اور مشترکہ کرنسی کے ذریعے مسلم ممالک کے

درمیان تجارت کو سہل اور منافع بخش بنانا۔

۱۱۔ تجارت کو اسلامی اصولوں پر منظم کرنا اور بلاسود معیشت کو فروغ دینا۔

انڈسٹریلائزیشن

یہ بات صحیح ہے کہ مغرب کی برتری کی ایک بڑی وجہ اس کی معاشی قوت ہے اور اس معاشی برتری کی وجہ سے وہ اسلحی قوت میں بھی دوسرے ممالک سے آگے ہے اور سیاسی قوت میں بھی اور اسی وجہ سے وہ قاہر و غالب ہے۔

ہم اس حوالے سے ان مسلم معاشی ماہرین کے سامنے دو باتیں رکھنا چاہتے ہیں جو مسلم نشاۃ ثانیہ میں یقین رکھتے ہیں؛ ایک تو یہ کہ مسلم تہذیب اس دنیا میں صدیوں سے برتر و غالب رہی اور مسلم معاشرہ معاشی لحاظ سے دنیا کا طاقتور ترین اور خوشحال ترین معاشرہ تھا اور یہ سب کچھ انڈسٹریلائزیشن کے بغیر ہوا، مطلب یہ کہ اگر مسلمان ماضی میں معاشی طاقت انڈسٹریلائزیشن کے بغیر حاصل کر سکتے تھے تو آج کیوں نہیں کر سکتے؟

دوسری بات یہ کہ اگر وہ آزادانہ اور مجتہدانہ غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچیں کہ ہمارے عہد میں معاشی قوت کا حصول اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ ہم انڈسٹریلائزیشن میں نہ جائیں تو بھی ہم کہتے ہیں کہ انڈسٹریلائزیشن کے مغربی ماڈل پر ہمیں ہو بہو عمل نہیں کرنا چاہئے بلکہ اپنے مخصوص نظریۂ حیات کے پیش نظر اس میں مندرجہ ذیل تبدیلی لانی چاہئیں:

۱۔ سود کا خاتمہ اور زکوۃ و عشرہ کے نظام کا فعال اور موثر طریقے سے نفاذ تاکہ تقسیم دولت کا منصفانہ ڈھانچہ وجود میں آسکے۔

۲۔ بڑے شہر نہ بننے دیے جائیں، جس شہر کی آبادی ایک مقرر حد سے بڑھ جائے وہاں زمین، مکان، یا دکان خریدنے پر قانونی پابندی لگ جانی چاہئے تاکہ وہاں آبادی میں اضافہ نہ ہو سکے۔

۳۔ انڈسٹری کو زرعی بنیادوں پر چلایا جائے گا اور وہاں چلایا جائے جہاں زراعت ہو رہی ہے، اس سے دیہات تک سڑکیں بنیں گی، اسکول اور ہسپتال کھلیں گے، مقامی طور پر روزگار مہیا ہوگا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اگر ان اصولوں پر عمل کیا جائے تو انڈسٹریلائزیشن سے معاشی قوت تو حاصل ہوگی ہی لیکن ساتھ ہی ہم ان قباحتوں سے بھی بچ جائیں گے جن کا بحران مغرب کی کشتی ڈبو رہا ہے۔

۱۲۔ زراعت

۱۔ مسلم ممالک کو توجہ دلانا کہ وہ خوراک کی فراہمی میں خود انحصاری اور خود کفالتی کو یقینی بنائیں۔

۲۔ کسی مسلم میں خوراک کی کمی ہو تو دوسرے مسلم ممالک مل کر اس کمی کو پورا کریں۔

۳۔ زراعت میں خود کفالتی اور خود انحصاری کیلئے اقدامات کرنا۔

۴۔ زرعی تحقیق کے ادارے قائم کرنا تاکہ پانی، عمدہ کھادوں، بیجوں اور دواؤں کی فراہمی یقینی بنائی جاسکے، پیداوار کو بڑھایا جاسکے اور نئی فصلوں کے تجربات کیے جاسکیں۔

۵۔ زرعی تعلیم کی یونیورسٹیاں قائم کرنا تاکہ زرعی سائنسدان اور ٹیکنیشن فراہم ہوسکیں۔

۶۔ مسلم ممالک کے زرعی ماہرین پر مشتمل ایک کمیشن قائم کرنا جو مسلم ممالک کے زراعت و خوراک کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرے۔

مسلم نشاۃ ثانیہ کے حوالے سے یہ کچھ ابتدائی تجاویز تھیں جو ہم نے امت کے سوچنے سمجھے والے عناصر کے سامنے رکھیں۔ اللہ کرے یہ اس سوچ کو آگے بڑھانے کا سبب بنیں، اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک مستقل پلیٹ فارم ہو جہاں اس موضوع سے اخلاص رکھنے والے امت کے چیدہ اہل علم جمع ہوں اور مسلم نشاۃ ثانیہ کے لئے ایک متفقہ لائحہ عمل بنا کر امت کو دیں اور پھر اس موضوع پر مسلسل غور و فکر کر کے اس میں ضروری تبدیلیوں کی نشاندہی کرتے رہیں۔

فصل چہارم

مسلم نشاۃ ثانیہ۔ موانع اور ان کا حل

یہ بات زیر بحث آئے گی کہ اس لائحہ عمل پر عمل درآمد میں کون سی رکاوٹیں حائل ہیں اور ان رکاوٹوں کو دور کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اور اس کے ساتھ ہی مسلم نشاۃ ثانیہ کے حوالے سے ہماری گفتگو مکمل ہو جائے گی۔

جہاں تک مسلم نشاۃ ثانیہ کی مجوزہ تجاویز پر عمل درآمد میں موانع کا تعلق ہے تو یہ موانع بنیادی طور پر تین ہیں

۱۔ داخلی مانع ۲۔ خارجی مانع ۳۔ عملی مانع

داخلی مانع اور اس کا حل

یہ اصولی اور بنیادی مانع ہے اور باقی دونوں موانع بھی اسی کی توسیع اور فروع ہیں، داخلی مانع سے ہماری مراد ہے مسلمانوں کی اپنے نظریۂ حیات سے بے وفائی، اس کے تقاضوں پر عمل نہ کرنا اور اس کے لئے قربانی نہ دینا۔

اس کا حل کیا ہے؟

اس کا حل ایک ہی ہے کہ ہم اسلام کے ساتھ سچ مچ وابستہ ہو جائیں، اسلامی تعلیمات کو حرز جاں بنائیں، ان کے تقاضوں پر عمل کریں۔ اس مضمون میں بھی سو رنگ باندھا جا سکتا ہے لیکن اس کا مرکزی مضمون بہر حال یہی ہو گا۔

اس کی عملی صورت کیا ہے؟

- اس کی پہلی ضرورت یہ ہے کہ ہمیں احساس زیاں تو ہو، ہم اپنی بیماری کو تسلیم تو کریں، ہم اپنا احتساب تو کریں، ہم خود تنقیدی کے مرحلے سے تو گزریں۔
- پھر ہمیں یہ ایقان بھی چاہئے کہ ہمیں واشنگٹن اور لندن نہیں کعبے کو جانا ہے۔ ہم اندھیرے میں ہیں، ہمیں نور اسلام کی ضرورت ہے۔ ہم بحر ظلمات میں ہیں، کنارے پہنچنے کے لئے ہمیں کشتئ ایماں کی ضررت ہے۔
- پھر ہمیں اس دلدل سے نکلنے کے لئے نیت خالص اور عزم محکم درکار ہے ،ایسا عزم جو پہاڑوں کے سینے شق کر دے اور صحراؤں کے دامن سمیٹ لے۔
- اس کے جزوی حل بھی ہیں اور وہ جزوا موثر بھی ہو سکتے ہیں، گو دیگر امراض باقی رہیں گے۔
- کچھ وقتی حل بھی ہیں جن سے کچھ دیر کے لئے مرض میں افاقہ ہو جائے گا لیکن ہمیشہ کے لئے آرام نہیں آئے گا۔

لیکن اس مہلک مرض کا اصولی، بنیادی، کلی اور پائیدار حل صرف وہ ہے جو ہمیں خالق کائنات نے بتایا ہے۔

یعنی تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ

تعلیم کتاب وحکمت سے شخصیت کا تزکیہ کر کے ایسے انسان تیار کئے جائیں جو قرآن اور اسلام کو مطلوب ہیں، اسے آپ تعمیر سیرت وکردار، انسان سازی یا چاہیں تو جدید اصطلاح میں Human Resource Development کہہ سکتے ہیں ۔ ایسے اشخاص جب آپ کے معاشرے میں ڈھل کر تیار ہو کر نکلنے لگیں گے تو آپ کی مشکلات کے حل کا دروازہ کھل جائے گا کیونکہ یہ نسخہ کیمیا ہے، یہ شہِ کلید (Master Key) ہے، اس کے آگے کوئی تالا نہیں ٹھہر سکتا، آزمائش شرط ہے۔

تاریخ اس کا مشاہدہ کر چکی ہے۔ چودہ سو سال پہلے احمد مجتبیٰ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ سے ایسے افراد تیار کئے تھے، پھر چشم فلک نے دیکھا کہ وہ طوفان بن کر اٹھے اور گھٹا کی طرح چھا گئے۔ دنیا کی سپر پاور ایران ان کے سامنے ریت کے گھروندے کی طرح بیٹھتی چلی گئیں کہ وہ علم وعمل کے سچے تھے، ان کے دن گھوڑے کی پیٹھ کر اور راتیں مصلے پر گزرتی تھیں۔ اپنے مقصد کی خاطر مرنا انہیں اتنا عزیز تھا کہ وہ اس کے لئے دعائیں مانگتے تھے، چنانچہ ان کی زندگی ایسی تھی کہ لوگ ان پر رشک کرتے تھے، وہ دور پھر لوٹ سکتا ہے بشرطیکہ ہم چاہیں، ہم صبغۃ اللہ میں اسی طرح رنگ جائیں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو رنگا تھا، آج رسولؐ ہم میں موجود نہیں ہیں لیکن ان کی لائی ہوئی کتاب اور ان کی سنت تو ہمارے پاس موجود ہے۔

خارجی مانع اور اس کا حل

۱۔ یہ خارجی مانع بھی اصلاً ایک ہی ہے اور وہ ہے مغربی فکر وتہذیب کا غلبہ اور اسلام دشمنی، یہ مانع ذہنی بھی ہے اور فکری بھی، یعنی اہل مغرب اپنی منصوبہ بندی اور کوشش ومحنت سے خصوصاً تعلیم اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ بہت سے مسلمانوں کے دل ودماغ کو فتح کر چکے ہیں، وہ مسلمان ہیں، مسلمانوں جیسے نام رکھتے ہیں مسلمان معاشرے میں رہتے ہیں اور ان میں سے بہت سے نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور روزے بھی رکھتے ہیں لیکن وہ مغربی تہذیب سے مرعوب ہیں، ان کی آنکھیں مغربی تہذیب کی چکا چوند سے خیرہ ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ مغربی تہذیب کامیاب ہے، ترقی یافتہ ہے، لہذا انہیں بھی ان کی پیروی کرنی چاہئے اور دنیا میں ترقی کا نسخہ فقط یہی ہے کہ مغربی تہذیب کی تقلید کی جائے۔

۲۔ یہ مانع عملی اور مادی بھی ہے یعنی بہت سے مسلمان خاص بن کر ان کے حکمران اور بالا دست طبقے مغرب کے محض ذہنی غلام نہیں بلکہ عملاً بھی اسی کے غلام ہیں اور اہل مغرب نے ہماری سیاست معیشت، معاشرت، دفاع، تعلیم، غرض سارے شعبہ

ہائے زندگی کو اس طرح جال میں جکڑا ہوا ہے کہ مغرب کے شکنجے سے نکلنا اگر ناممکن نہیں تو محال ضرور ہے، ہمارے حکمران طبقے اکثر مغرب کے پروردہ ہیں وہ عوامی قوت پر انحصار کرنے کی بجائے اقتدار کے حصول اور اس کے دوام کے لئے مغرب پر انحصار کرتے ہیں اور ان کی ساری شرطیں دل وجان سے مانتے ہیں۔

حل: اس مانع کا حل سہ جہتی ہے؛

ا۔فراست: یہ مانع دراصل داخلی مانع ہی کی ایک توسیع شدہ شکل ہے یعنی مسلمان اس لئے مغربی فکر وتہذیب سے مرعوب ہیں کہ وہ اپنے نظریات حیات سے وابستہ نہیں ہیں، وہ اس پہ مطمئن نہیں ہیں اور انہیں اس سے وابستگی پر فخر نہیں ہے۔ اگر صحیح تعلیم وتربیت سے وہ سچ مچ دین اسلام سے وابستہ ہو جائیں تو ان کی یہ کمزوریاں جاتی رہیں گی۔

۲۔دعوت: اس کا دوسرا حل ہے، دعوت کا مطلب یہ ہے کہ ہم ساری غیر مسلم دنیا خصوصا اہل مغرب تک دین حق کی دعوت پہنچائیں اور انہیں بتائیں کہ اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے سے ان کی ساری مشکلات حل ہو جائیں گی اور وہ حقیقی خوشی سے متمتع ہوں گے۔

اہل مغرب کا رویہ ہمارے ساتھ جو بھی ہو وہ ہمارے لئے امت دعوت اور ہمیں بہر حال موثر طریقے سے ان تک حق کا پیغام پہنچانا ہے۔

۳۔مزاحمت: مغربی غلبے سے نمٹنے کا تیسرا حل مزاحمت ہے۔ دراصل مغرب اس وقت طاقتور ہے، اسلحے کے لحاظ سے بھی، معیشت کے لحاظ سے بھی ،اور سیاست کے لحاظ سے بھی بلکہ تسلیم کرنا چاہئے کہ وہ ہر لحاظ سے طاقتور ہے اور اس کے مقابلے میں مسلم امت اس وقت کمزور ہے، اسلحے کے لحاظ سے، معیشت کے لحاظ سے بھی، سیاسی قوت کے لحاظ سے بھی، غرض ہر طرح کمزور ہے اور دنیا کا دستور یہی ہے کہ طاقتور

کو کمزور پر خواہ مخواہ غصہ آجاتا ہے۔ مسلمان کیا کریں؟ ہنسی خوشی اور خاموشی سے پٹتے رہیں ؟ ہماری رائے یہ ہے کہ انہیں خاموشی سے نہیں بیٹھنا چاہئے بلکہ مزاحمت کرنی چاہئے۔

ظاہر ہے کہ جب ہم مسلمان ہیں، اسلام کو مانتے ہیں تو پھر یہ بات بھی ہمارے عقیدے کا حصہ ہے کہ سب مسلمان بھائی بھائی اور ان کی مثال جسم کے مختلف اعضاء کی ہے، ایک حصے کو تکلیف ہو تو جسم کے دوسرے حصے بھی خود بخود تکلیف ہوتی ہے (بخاری ،کتاب الادب ،باب رحمۃ الناس والبھائم)اور سارے مسلمان ایک امت ہیں اور رنگ ،نسل ، زبان، علاقے کی کسی تفریق سے قطع نظر،نظریات اور عقائد کی ہم آہنگی کی وجہ سے ایک قوم اور ایک ملت ہیں ،لہذا کسی مسلمان علاقے پر اگر کفار حملہ آور ہوں تو دیگر مسلمانوں کا حیلے بہانے حملہ آوروں کا ساتھ دینا یا اس ظلم پر خاموش رہ کر تماشا دیکھنا اور بے حسی کا مظاہرہ کرنا نہ صرف خلاف دین ہے، بلکہ غیرت وحمیت کے بھی منافی ہے،اس کے لئے دلائل گھڑنا محض فریب نفس اور روباہی ہے، بلکہ یہ رویہ ننگ شرف اور ننگ انسانیت ہے۔

تاہم اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کا انکار عقل دشمنی ہوگی کہ امت اس وقت مغرب سے تصادم مول لینے کی اہل ہی نہیں اور اسے تصادم سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے۔اس سے کسی کو یہ غلط فہمی لاحق نہیں ہونی چاہئے کہ ہم جہاد کے منکر ہیں یا مسلمانوں کو جہاد سے ہٹا کر بزدلی سکھانا چاہتے ہیں۔ ہر گز نہیں ،ہم جہاد کے منکر نہیں ہیں ،اس کے حامی ہیں ،لیکن معاف کیجئے گا بہت سے لوگ نہیں سمجھتے کہ جہاد کیا ہوتا ہے؟۔ جہاد کی اصطلاح اس سے وسیع تر ہے اور مندرجہ ذیل مفاہیم اپنے اندر سموئے ہوئے ہے:

- اللہ کے احکام پر عمل کرنے کے لئے اپنے نفس سے مجاہدہ کرنا (بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جہاد اکبر سے کہا ہے)۔
- لوگوں تک دین کی دعوت پہنچانے کی کوشش کرنا بھی جہاد ہے۔ اگر یہ کوشش زبان

سے کی جائے تو یہ جہاد باللسان اور اگر قلم سے کی جائے تو جہاد بالقلم ہے۔

- اگر لوگ دین کے احکام پر عمل نہ کر رہے ہوں تو ان کو نیکی کی طرف دعوت دینا اور برائی سے روکنا بھی جہاد ہے۔
- اگر مسلمان حکمران ایک مسلم حکومت میں اسلامی احکام نافذ نہ کریں تو ان کی اصلاح کی کوشش کرنا بھی جہاد ہے۔
- غیر مسلموں تک اسلام کی دعوت پہنچانا بھی جہاد ہے۔
- دارالاسلام کی حفاظت کی خاطر جدو جہد اور قتال کرنا بھی جہاد ہے (دفاعی جہاد)
- حق کو قبول کرنے میں حائل رکاوٹوں کو قوت سے دور کرنا بھی جہاد ہے (اقدامی جہاد)

مندرجہ بالا وضاحت سے واضح ہے کہ ہم نے اس خارجی مانع کو توڑ کے لئے فراست اور دعوت کے عنوان سے جن کاموں کے کرنے کا ذکر کیا ہے وہ بھی درحقیقت جہاد ہی کی ایک نوع ہیں۔ پہلی آپ کو جہاد بالنفس اور دوسری کو جہاد بالدعوۃ کہہ سکتے ہیں۔

ہمارا موقف یہ ہے کہ مسلمان اس وقت اس قسم کے جہاد کے مکلّف ہی نہیں ہیں، کیونکہ ان کے پاس اس جہاد کی طاقت ہی نہیں ہے۔ اللہ نے حکم دیا تھا کہ اس جہاد کے لئے گھوڑے تیار رکھو (الانفال ٦٠) مطلب یہ کہ جہاد کی تیاری، اسلحے کی تیاری، لڑنے کی قوت، لیکن مسلمانوں نے یہ تیاری کی ہی نہیں۔ ان کے پاس لڑنے کے ہتھیار ہی نہیں! کیا مسلمانوں کے پاس ایٹمی آبدوزیں ہیں؟ کیا ان کے پاس سمندروں میں تیرتے طیارہ بردار جہاز اور مضبوط بحری بیڑے ہیں؟ کیا ان کے پاس سمندروں میں تیرتے طیارے ایف سولہ طیارے، اسٹیلتھ طیارے، پائلٹ کے بغیر اڑنے والے طیارے، پیشگی اطلاع دینے والے طیارے اور سیٹلائیٹ ہیں؟ کیا ان کے پاس طویل رینج کے بلیسٹک میزائل ہیں ایٹم بم اور کیمیائی ہتھیار ہیں؟ جب ان کے پاس آج کی لڑائیوں میں لڑا جانے والا اسلحہ ہی نہیں تو انہوں نے کفار سے جہاد کیا کرنا ہے؟ بعض لوگ جذباتی ہو کر کہتے ہیں ہمارے پاس ایمان کی قوت ہو تو ہم لڑ سکتے ہیں بقول اقبال۔

اگر ایک ہو تو کروڑ ہیں ہم

اور یہ کہ

مومن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

ہم کہتے ہیں کہ یہ خواہ مخواہ کی جذباتیت ہے کیونکہ سچی بات تو یہ ہے کہ ہمارے پاس ایمان کی طاقت بھی نہیں ہے۔

ہمارا موقف یہ ہے کہ مسلمانوں کو پوری کوشش کرنے چاہئے کہ وہ مغرب سے مخاصمت مول نہ لیں بلکہ انہیں خاموشی سے اپنے سارے وسائل مجتمع کر کے تیز رفتار ترقی کرنی چاہئے تا آنکہ وہ وقت آجائے کہ دشمن انہیں تر نوالہ نہ سمجھے اور جب چاہے روند نہ ڈالے۔ لیکن اس مخاصمت اور کشمکش سے بچنے کی ساری کوششوں کے باوجود اگر دشمن اپنی طاقت کے زعم میں ان کی کسی غلطی کے بغیر انہیں کمزور سمجھتے ہوئے انہیں مٹانے کے لئے ان پر چڑھ دوڑے تو پھر ان کا یہ کام نہیں کہ گھگھیائیں، اس کے پاؤں پکڑیں، رحم کی بھیک مانگیں، صبر سے ظلم برداشت کریں، بلکہ ان کا کام یہ ہے کہ پوری طاقت سے مزاحمت کریں، بچے بوڑھے، جوان عورتیں اور مرد، امیر وغریب، کمزور اور طاقتور، مسلح اور نہتے، فوجی اور استاد اور انجینئر اور ڈاکٹر، غرض اس مسلم معاشرے کے ہر فرد کو اٹھ کھڑا ہونا چاہئے اور امکانی حد تک مزاحمت کرنی چاہئے۔

عملی مانع اور اس کا حل

مسلم نشاۃ ثانیہ کے رستے میں ایک بہت بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ اس کے لئے کام کرنے کی خاطر کوئی ادارہ اور تنظیم موجود نہیں ہے۔

یہاں کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ اس وقت مسلمانوں میں اس غرض سے ملی سطح کی کئی تنظیمیں موجود ہیں، اگر شک ہو تو ذرا ایک نظر موجودہ ملی تنظیموں اور ان کی کارکردگی پر ڈال لیجئے تو آپ کی خوش فہمی ہوا ہو جائے گی۔

۱۔ ان تنظیموں میں سب سے قدیم موتمر عالم اسلامی ہے، جو غیر حکومتی سطح پر مسلم دانشوروں اور سیاست دانوں کو متحد کرنے کا ایک پلیٹ فارم ہے، پھر سعودی عرب نے رابطہ عالم اسلامی قائم کی، جس کا زیادہ تر میدان کار دعوت و تبلیغ ہے، پھر اسلامی کانفرنس تنظیم وجود میں آئی جو اگرچہ ساری مسلم حکومتوں کا پلیٹ فارم ہے، لیکن اس کے بھی زیادہ تر اخراجات سعودی عرب برداشت کرتا ہے اور اس میں دو رائیں نہیں ہوسکتیں کہ سعودی عرب مغرب (امریکہ و یورپ) کے زیر اثر ہے، لہذا اول الذکر تنظیم اپنے دائرہ کار کی بناء پر غیر موثر ہے (خصوصا اسلامی کانفرنس تنظیم کے وجود میں آنے کے بعد سے) اور آخری دونوں تنظیمیں مغربی ایجنڈے کے زیر اثر نیم مردہ ہوچکی ہیں۔ ان تنظیموں کی بے عملی کا یہ حال ہے کہ جب افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجائی جارہی تھی تو موتمر اپنا اجلاس نہ بلاسکی، اسلامی کانفرنس تنظیم نے صرف ایک اجلاس بلایا اور اس میں کوئی ایکشن لینا تو رہا ایک طرف وہ امریکہ اور اس کے حمایتیوں کے خلاف قرارداد مذمت بھی نہ پاس کرسکی۔

۲۔ پھر ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ اور عروج امت ان تنظیموں کا ہدف کبھی نہیں رہا، یہ تنظیمیں زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کے مسائل اور اتحاد کی بات کرتی ہیں۔

۳۔ امہ کے مسائل کے حل اور اتحاد امت کے لئے آج تک جو تنظیمیں بنائی گئی ہیں، وہ نفسیاتی طور پر مدافعتی نوعیت کی رہی ہیں، مفتی امین الحسینی نے فلسطین کو ہاتھوں سے نکلتے دیکھا تو ہاتھ پاؤں مارنے کے لئے امت کے پاس دوڑے کہ فلسطین کو بچانے کے لئے کچھ کرو۔ جب مسجد اقصیٰ جلائی گئی تو پھر امت کو اکٹھا کیا گیا کہ ہمارے مذہبی مقامات کا تقدس اور سالمیت خطرے میں ہے، لیکن یہ نقطۂ نظر کہ ہم نے اپنی فکر و تہذیب کو بالا دست بنانا ہے ایک ہجومی نفسیات کا

تقاضا کرتا ہے جس پر آج تک کام ہی نہیں ہوا۔

۴۔ حق آج تک اس طرح کبھی غالب نہیں آیا کہ حق کا نام لینے والے سب کہہ و ماہ اور مخلصوں اور بہادروں کے ساتھ کمزوروں بزدلوں اور منافقوں سب کو جمع کیا جائے اور سب کا ایک لشکر بنایا جائے، بلکہ حق اکثر اس قلیل اقلیت کے ذریعے ہی غالب آیا جو اخلاص کے ساتھ جان نثاری پر تل جائے، اس پر قرآن وسنت کی گواہی بھی موجود ہے اور تاریخ کی بھی۔

نئی تنظیم کی ضرورت

مندرجہ بالا مختصر تجزیے سے ظاہر ہے کہ امہ کے مسائل کے حل اور اتحاد کے لئے قائم کی گئی مندرجہ بالا تنظیمیں غیر موثر اور غیر فعال ہو چکی ہیں، نیز مسلم نشاۃ ثانیہ کبھی ان کا ہدف ہی نہیں رہی، اس لئے آج ہمیں ایک ایسی ملی تنظیم کی اشد ضرورت ہے جس کا ہدف مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ ہو نہ کہ محض امت کے مسائل حل کرنا۔

طریق تشکیل

ظاہر ہے ملی سطح پر اس طرح کی تنظیم قائم کرنا بچوں کا کھیل نہیں خصوصا اس صورت میں جب کہ مسلم حکومتیں اس کی ہمنوا نہ ہوں، اندریں حالات ہماری تجویز یہ ہے کہ:

۱۔ مسلم نشاۃ ثانیہ کے تصور کو امت کے سربرآوردہ حلقوں تک پہنچایا جائے اور جو افراد اس سے متفق ہوں انہیں ایک تنظیم کی صورت میں منظم کیا جائے، اسے کوئی بھی موزوں نام دیا جا سکتا ہے، مثلا: اسلامی یکجہتی محاذ (عربی میں 'جبھۃ التضامن الاسلامی اور انگریزی میں (Islamic Solidarity Front)

۲۔ اس گروپ میں ان افراد اور حکمرانوں کو بطور خاص شامل کیا جائے جو مذکورہ بالا تینوں تنظیموں میں شامل ہیں، لیکن ان کی بے عملی سے نالاں ہیں۔

۴۔ اس گروپ کی تشکیل میں جلدی نہ کی جائے اس میں کسی خاص علاقے، زبان مسلک اور حکمران کو ترجیحی اہمیت نہ دی جائے، ترجیح ہو تو صرف اس بات کو کہ کون اس کے لئے اخلاص کے ساتھ زیادہ سے زیادہ جد وجہد کرتا ہے اور قربانیاں دیتا ہے۔

۵۔ اگر دوسری ملی تنظیمیں فعال نہ ہوئیں اور یہ گروپ فعال ہو گیا تو اس امر کا امکان موجود ہے کہ یہی گروپ بعد میں ان ساری تنظیموں کی جگہ لے لے گا۔

ہدف

اس گروپ کا ہدف ایک ہی ہو، مسلم نشاۃ ثانیہ یعنی اس امر پر غور وفکر اور عملی اقدامات کہ کن طریقوں سے امت مسلمہ کے مسائل کو حل کر کے اسے عروج سے ہمکنار کیا جائے۔

وسائل

یہ گروپ اپنے ہدف کو حاصل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل ذرائع سے کام لے گا:

۱۔ مسلمان ممالک کے عوام اور حکمرانوں کو متحد کرنے کے لئے موثر اقدامات کرنا۔

۲۔ مسلم معاشروں میں مسلمانوں کو اصلاحی تعلیمات پر عمل کرنے میں مدد دینے کے لئے دعوت واصلاح اور تعلیم وتزکیہ کا کام کرنے والے افراد، اداروں، تحریکوں، تنظیموں اور جماعتوں کو باہم مربوط و منظّم کرنا اور فعال بنانا۔

۳۔ مسلم ممالک میں نفاذ اسلام کے لئے کام کرنے والی سیاسی قوتوں کو مربوط و منظّم کرنا۔

۴۔ غیر مسلموں میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کے کام کو منظّم وفعال بنانا اور بڑھانا۔

۵۔ اسلام اور مسلم دشمن قوتوں کی سازشوں کو ناکام بنانا۔

تلخیص مباحث

۱۔ آج امت کے جو حالات ہیں ان میں مسلم نشاۃ ثانیہ کی بات کرنا بظاہر ایک دیوانے کا خواب لگتا ہے لیکن اگر ذرا گہرائی سے سوچا جائے تو ایسے امکانات نظر آتے ہیں جن کی رو سے آج کے خواب کو کل کی حقیقت میں بدلا جا سکتا ہے۔

۲۔ زوال کا وقت ہی وہ مناسب وقت ہوتا ہے جب عروج کے لئے پلاننگ کی جاتی ہے۔

۳۔ دل گرفتگی اور مایوسی کسی مسئلے کا حل نہیں ہوتی اور پر امیدی اور خوش امیدی زندہ رہنے اور جدوجہد کرتے رہنے پر اکساتی ہے لہذا اس کتاب میں یہی دوسری پالیسی اختیار کی گئی ہے۔

۴۔ قومیں اور تہذیبیں عام طور پر ضعف وادبار کے بعد دوبارہ نہیں اٹھ سکتیں لیکن مسلم تہذیب اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس کے نظریاتی مآخذ محفوظ اور موجود ہیں جو اس کی نشاۃ ثانیہ کی بنیاد بننے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔

۵۔ مسلمانوں کے زوال کا بنیادی داخلی سبب اپنے نظریۂ حیات سے عدم وابستگی اور اس کے تقاضوں کو پورا نہ کرنا ہے، اس کے زوال کا بنیادی خارجی سبب مغربی تہذیب کی اسلام اور مسلم دشمنی اور مسلمانوں کی اس تہذیب سے مرعوبیت اور اس کی پیروی کرنے کا رجحان ہے۔

۶۔ مسلم امت کے زوال سے نکلنے اور عروج کی طرف بڑھنے کا بنیادی نسخہ یہ ہے کہ انسان سازی کا کام کیا جائے یعنی اسلامی اصولوں پر تعمیر شخصیت و کردار اور فکری وتحقیقی بالادستی کا کام جس کا ذریعہ ہے صحیح اصولوں پر تعلیم وتربیت اور تزکیہ اور دعوت واصلاح۔

۷۔ سطح بین لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عروج کا راستہ ہے سائنس وٹیکنالوجی اور مادی

وسائل کی کثرت اور ان چیزوں کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ مغرب کی پیروی کی جائے کیونکہ اسے یہ دونوں چیزیں حاصل ہیں جبکہ مسلمانوں کو یہ حاصل نہیں ہیں، وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ مادی وسائل کی کثرت اور سائنس وٹیکنالوجی میں ترقی نتیجہ ہوتے ہیں انسانی وسائل کے صحیح استعمال کا اور انسانی وسائل کا تحرک نتیجہ ہوتا ہے نظریۂ حیات سے وابستگی کا، لہذا ہمارا موقف یہ ہے کہ اصولاً مسلمانوں کے عروج کا ایک ہی راستہ ہے کہ وہ اخلاص سے اپنے نظریۂ حیات سے وابستہ ہو جائیں، مادی وسائل اور سائنس ترقی انہیں خود بخود حاصل ہو جائے گی جیسا کہ ماضی میں ہو چکا ہے۔

۸۔ یہ کہنا کہ ہم تو اسلام پر عمل کر رہے ہیں اور اس کے باوجود دنیا میں ذلیل وخوار ہیں ،لہذا اس بات میں کوئی وزن نہیں کہ اگر ہم اسلام پر عمل کریں گے تو خود بخود معاشی ودفاعی طور پر مضبوط ہو جائیں گے اور ہمیں سائنسی ترقی حاصل ہو جائے گی، محض ایک غلط فہمی ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہم بحیثیت فرد اور معاشرہ اسلامی اصولوں پر صحیح طریقے سے اور کما حقہ عمل نہیں کر رہے ہیں، جس کا نتیجہ ہے ذلت وخواری۔ اگر صحیح طریقے سے عمل کریں تو ترقی کے عوامل ہمیں خود بخود حاصل ہو جائیں گے، جیسا کہ ماضی میں ہوئے۔

۹۔ مغرب کی ساری پالیسیاں اسلام اور مسلم دشمنی پر مبنی ہیں

۱۰۔ یہ سمجھنا کہ مغرب کی پیروی سے مسلمان دنیا میں ترقی کر سکتے ہیں ایسے ہی جیسے جانا مشرق کو ہو اور جایا مغرب کو جائے۔

۱۱۔ مسلمانوں کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ وہ متحد نہیں ہیں۔

۱۲۔ اور یہ کہ مسلم حکمرانوں کی سوچ اور عمل مسلم عوام کی سوچ اور عمل کے برعکس ہے ،کیونکہ یہ حکمران دین سے دور ہیں۔ حب دنیا اور حب جاہ میں مبتلا ہیں اور اپنے اقتدار اور مفادات کے لئے مغرب کے گماشتے بنے ہوئے ہیں۔

۱۴۔ جہاد کا مطلب ہے دین پر عمل اور اس کے نفاذ و غلبے کے لئے ہر نوع کی جدوجہد کرنا اور ہر قسم کے ایثار قربانی سے کام لینا، اس کا پہلا مرحلہ ہے جہاد بالنفس یعنی خود دین پر عمل کرنا، دوسرا مرحلہ ہے جہاد بالقلم واللسان یعنی دوسروں تک دین کی دعوت پہنچانا اور آخری مرحلہ ہے قتال۔ ہم مسلمانوں کی کیفیت یہ ہے کہ ہم جہاد بالنفس کرنے پر تیار نہیں کہ ہم اپنی اصلاح کریں اور غیر مسلموں کے لئے نمونہ بنیں، دعوت کے کام کا حق بھی ہم ادا نہیں کرتے، نہ داخلی محاذ پر اور نہ خارجی پر ، داخلی محاذ یعنی مسلم معاشرے میں دعوت اصلاح کا موجودہ کام ناکافی بھی ہے ، غیر موثر بھی اور اس کی سمت بھی درست نہیں، اسی طرح خارجی محاذ پر یعنی غیر مسلم دنیا میں دعوتی جدوجہد کے لئے ہمارے یہاں ایسے موثر ادارے موجود ہی نہیں جو ایسے اہل افراد پیدا کر رہے ہوں جو اہل مغرب کو دین ان کی زبان میں، ان کی ذہنی سطح کے مطابق اور ان کے حالات کے تناظر میں پیش کرسکیں، مسلمان حکومتیں دین پر عمل نہیں کرتیں کہ ہمارا معاشرہ اور ریاست کفار کیلئے نمونہ بنیں پھر ہم نے بحیثیت امت جہاد کے آخری درجے کے لئے تیاری ہی نہیں کی اور نہ ہم میں اتنی سکت ہے کہ دشمن کے خلاف لڑ سکیں۔

۱۵۔ اگر مسلمان حکمت عملی سے کام لیں تو مغرب کے ساتھ دعوت وڈائیلاگ اور جہاں مجبوری ہو وہاں مزاحمت کی پالیسی بیک وقت بھی اپنائی جاسکتی ہے اور اپنائی جانی چاہئے۔

۱۶۔ خلافت کے خاتمے کے بعد جدید اسلامی تحریکوں کی یہ حکمت عملی کہ غیر صالح مسلم حکمرانوں کو قوت سے بے دخل کر کے دینی مفاد کے لئے خود اقتدار ہاتھ میں لے لیا جائے بعض فائدوں کے باوجود عملاً ناکام ثابت ہوئی ہے، لہذا ان تحریکوں کو چاہئے کہ وہ اپنی حکمت عملی پر نظر ثانی کریں اور اسے تبدیل کریں "سیاسی اقتدار پر قبضے کے ذریعے اسلامی اصلاح" کی بجائے" سیاسی اقتدار پر قبضہ

بذریعہ عوام کی اسلامی اصلاح'' کی پالیسی پر عمل کریں تاکہ انسان سازی اور فکر وعمل کی تبدیلی کے ذریعے مسلم فرد اور معاشرے میں پائیدار تبدیلی کی بنیاد رکھی جاسکے۔

۱۷۔ دینی مدارس کو جو ایسے علماء پیدا کررہے ہیں جنہیں حالات کے تقاضوں کی خبر ہے اور نہ وہ مغربی افکار اور اس حوالے سے مسلم دنیا کو درپیش چلینجز کو سمجھتے ہیں اپنا طریق کار بدلنا چاہیئے۔

۱۸۔ اسی طرح وہ تبلیغی اور اصلاحی جماعتیں جو ایسے اسلام کی تبلیغ کرتی ہیں جو زندگی کے مسائل وکشاکش سے بحث نہیں کرتا انہیں بھی اپنی حکمت عملی تبدیل کرنی چاہیئے۔

۱۹۔ مسلمان اگر آگے بڑھنا چاہتے ہیں تو انہیں کردار سازی کے ساتھ تعلیم وتحقیق میں آگے بڑھنا ہوگا شرط یہ ہے کہ یہ تعلیم وتحقیق نہ مغرب سے مرعوبیت پر مبنی ہو اور نہ لکیر کی فقیر ہو بلکہ اس میں اجتہادی شان اور تخلیقیت پائی جاتی ہو۔

۱۰۔ ضرورت ہے امت کی سطح پر ایک تجزیاتی وتحقیقی ادارے اور تھینک ٹینک (مرکز مطالعہ مسلم نشاۃ ثانیہ) کی جو مسلمانوں کے زوال کے اسباب اور عروج کے طریق کار پر مسلسل کام کرتا رہے اور اپنے نتائج فکر سامنے لاتا رہے اسی طرح ہمیں ایک مرکز مطالعہ مغرب جیسے تجزیاتی وتحقیقی ادارے کی بھی ضرورت ہے جو مسلمانوں اور اسلام کے خلاف مغرب اور یہود وہنود ونصاریٰ کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کو سامنے لاتا رہے اور ان کا تجزیاتی وتحقیقی مطالعہ امت کے سامنے پیش کرتا رہے تاکہ مسلم عوام وخواص کی ذہنی وفکری تربیت بھی ہو اور ان سازشوں کا بروقت تدارک بھی کیا جاسکے۔

۲۱۔ 'مرکز مطالعہ مسلم نشاۃ ثانیہ' اور 'مرکز مطالعہ مغرب' جیسے مجوزہ ادارے جس حکمت عملی اور لائحہ عمل کی نشان دہی کریں اس پر عمل درآمد کے لئے امت کی سطح پر ایک

اسلامی یک جہتی محاذ یا اسلامک سالیڈ یریٹی فرنٹ کو بتدریج اتنا موثر اور طاقتور ہو جانا چاہیے کہ وہ امت کی نمائندگی اور امت کے مفادات کا تحفظ کر سکے اور امت کی بقاء، استحکام اور غلبے کو ممکن بنا سکے۔

۲۲۔ اگر ان خطوط پر کام کیا جائے تو امت کی بقاء، استحکام اور غلبے کا کام جو آج ایک خواب نظر آتا ہے کل (یعنی مستقبل قریب میں) حقیقت کا روپ دھار سکتا ہے ۔ان شاءاللہ۔

آل انڈیا تنظیم علماء حق کی

روشن خدمات

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے ذہنی اور فکری جمود کو توڑا اور خواب غفلت سے بیدار کیا۔ اسی تحریک کا ثمرہ ہے کہ ہندوستان میں اسلامی فکر کی ایک درخشاں روایت ہے، مگر آج اسلامی فکر کے ساتھ جو معاندانہ رویہ ہے ایسے میں ہماری ملی تنظیمیں ہی ہیں جو کسی حد تک ولی اللہی فکر کو آگے بڑھارہی ہیں۔

ایسے نازک حالات میں مسلم تنظیموں کا وجود بے حد اہم ہو جاتا ہے۔ مسلم تنظیمیں تو بہت ہیں لیکن اس تنظیم کا کردار اہم ہوتا ہے جو ایسے علاقوں کا انتخاب کرے جہاں وسائل کی قلت ہو تنظیم کا دروازہ دور دراز سے آنے والے طلباء، علماء اور مسلمانوں کے لئے کھلا ہوا ہو۔ خوشی کی بات ہے کہ تنظیم علماء حق ان صفات سے متصف ہے۔ آل انڈیا تنظیم علماء حق کے زیر اہتمام ملی وقومی مسائل پر سیمنار، مذاکرے اور مباحثے اس کا ثبوت ہیں۔ تنظیم میں ہندوستان کی بڑی شخصیتوں کی تشریف آوری اور ان کی طرف سے سند توصیف تنظیم علماء حق کی معتبریت کی دلیل ہے۔

تنظیم علماء حق بین المسالک تفہیم وافہام کی کوشش کرتی رہتی ہے تاکہ مسلمانوں کا جو وقت بین المسالک تنازعہ میں ضائع ہورہا ہے وہ دیگر تعمیری کاموں میں استعمال ہو سکے۔ تنظیم کا حسینی مزاج بھی اس کے تئیں اعتبار و استناد کی فضا ہموار کرتا ہے، اس تنظیم نے دیار جور میں جو راستہ دکھایا ہے اس راستے پر چل کر قوم کو منزل مل سکتی ہے۔

قومی صدر مولانا اعجاز عرفی قاسمی کی قیادت میں آل انڈیا تنظیم علماء حق ملت کے تئیں اپنے فریضے کو انجام دینے میں مصروف ہے اور ہندوستانی مسلمانوں کا مشترکہ پلیٹ فارم بن کر تمام طبقوں میں یکساں مقبول ہے۔ تنظیم جہالت دور کرنے کے لئے درجنوں مدارس ومکاتب کی سرپرستی کررہی ہے اور اس کے تحت علم کی روشنی وہاں پھیل رہی ہے جہاں گھپ اندھیرا تھا۔

تنظیم نے اشاعت دین، امت مسلمہ اور مسلم نوجوانوں میں بیداری پیدا کرنے، مسلمانوں میں اتحاد واتفاق پیدا کرنے اور ان میں دینی فکری، سیاسی، سماجی شعور پیدا کرنے کے لئے تصانیف وتالیف کا بھی سہارا لیا ہے۔ یہ تمام لوگوں تک پہونچنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ مولانا اعجاز عرفی قاسمی تصنیف وتالیف کا بہترین ذوق رکھتے ہیں اور اہل علم کی ہمت افزائی بھی کرتے ہیں۔ مختلف موضوعات پر ان کے کثرت سے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ وہ شعر وشاعری کا بھی عمدہ مذاق رکھتے ہیں۔ پندرہ روزہ ''دریافت'' بردوان اور سہ ماہی ''وقار'' کلٹی بردوان جیسے اہم رسالوں کی ادارت کی ذمہ داری بھی بخوبی انجام دے چکے ہیں۔ انہوں نے کئی کتابیں بھی لکھی ہیں جن میں ''ذکر حرمین'' ''مومن کی معراج اور اسلام کا اہم رکن زکوۃ قابل ذکر ہیں۔ ان دنوں سہ ماہی ''حسن تدبیر'' کی ادارت کررہے ہیں۔ سہ ماہی حسن تدبیر نے مختصر عرصے میں ناقابل فراموش، تاریخی، دستاویزی شمارے شائع کئے ہیں۔

عابد انور

آل انڈیا تنظیم علماء حق کے زیر اہتمام مولانا محمد اعجاز عرفی قاسمی کی ادارت میں
"حسن تدبیر" کے چار خصوصی شمارے
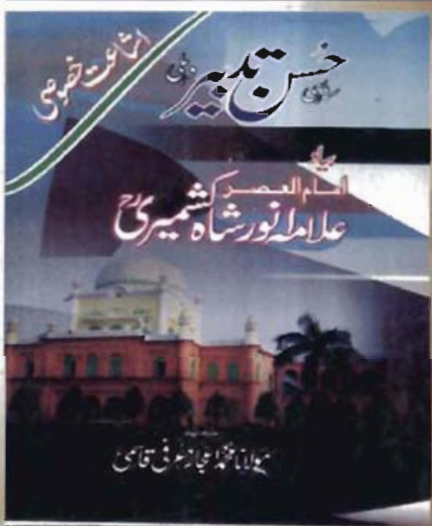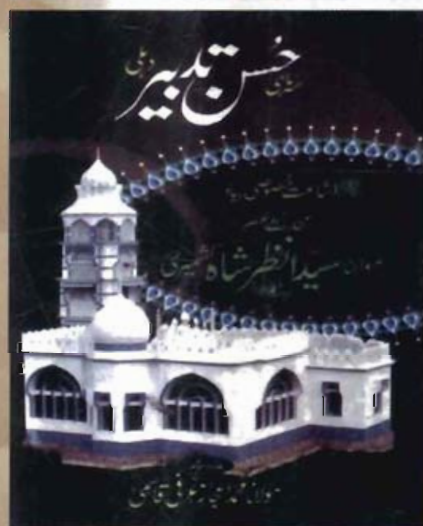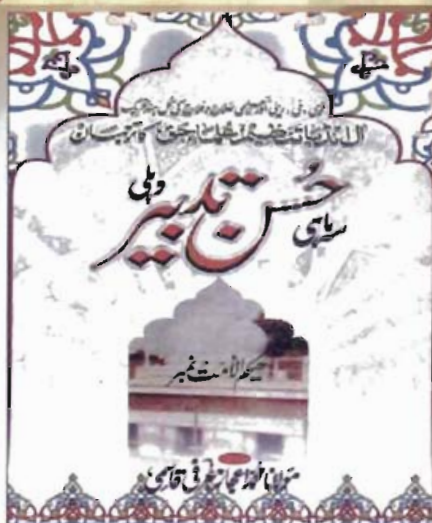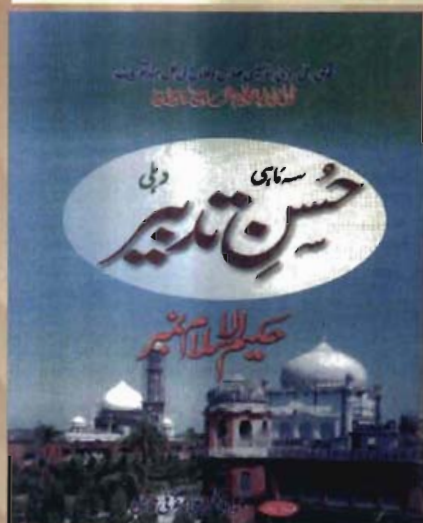
ALL INDIA TANZEEM ULAMA-E-HAQ

E-mail : aitulemaehaq@gmail.com E-mail : husnetadbir@gmail.com
Web : www.aitulamaehaq.org
A/C No. 004601053825, ICICI Bank
Q-25, Alsamad Road, Batla House, Jamia Nagar,
New Delhi-110025, Telefax : 011-26985943